

September

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ



خدا سے ڈرو  
 ہر دوسرے خوف سے بجا جانگی

ایڈیٹر: عامر



تاریکیوں میں ایک چراغ

1/50

سالانہ  
 15۶  
 ۲۲

# ماہنامہ تجلی سبند

پچیسویں سال کا چھٹا شمارہ

ایڈیٹر عامر عثمانی

امریکہ - انگلینڈ - ناٹجیریا - کینیڈا - فرانس -  
 برمنگھم - انڈونیشیا اور ملیشیا سے بذریعہ  
 بحری ڈاک دو پونڈ - بذریعہ ہوائی ڈاک  
 ۵ پونڈ - بحرین اشرفیہ - سعودی عرب  
 قطر وغیرہ سے بذریعہ بحری ڈاک  
 ایک پونڈ اور دس شانگ -  
 بذریعہ ہوائی ڈاک تین پونڈ -  
 ہندوستان سے سالانہ قیمت  
 پندرہ روپے

اگر اس دائرے میں سرخ نشان ہے تو سمجھ لیجئے اس پر چھپے ہوئے خریداری ختم ہے۔ یا تو  
 منی آرڈر سے سالانہ قیمت بھیجیں یا وی پی کی اجازت۔ آئندہ خریداری جاری نہ رکھنی  
 ہو تب بھی اطلاع دیں خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ وی پی سے بھیجا جائے گا جسے وصول کرنا آپ کا اخلاقی  
 فرض ہوگا۔ (وی پی ساڑھے سولہ روپے کا ہوگا۔ منی آرڈر بھیج کر آپ وی پی خرچ سے بچ جائیں گے)

۵	.....	عامر عثمانی	.....	آغاز سخن
۱۱	.....	مولانا ابوالاعلیٰ مودودی	.....	تفہیم القرآن
۲۱	.....	عامر عثمانی	.....	تفہیم الحدیث
۲۵	.....	عامر عثمانی	.....	حقائق (منظوم)
۲۷	.....	.....	.....	تجلی کی ڈاک
۲۷	.....	انجمن "نیور"	.....	کبریا عزت نفس؟
۲۷	.....	اقتباس	.....	وحی کی دو قسمیں
۵۰	.....	عامر عثمانی	.....	تفسیر اجددی
۶۹	.....	حبیب رحمان ندوی	.....	ایک جھوٹا مدعی نبوت
۷۵	.....	عامر عثمانی	.....	شاہنامہ اسلام (جدید)
۸۳	.....	مولا ابن العرب مکی	.....	مسجد سے بچنے تک
۹۲	.....	عامر عثمانی	.....	ہرے گھوڑے



# ایمان نمبر

ایک اور اہم پیش کش



## تکلیف ارتقا نمبر

بعض مغربی علماء و فلاسفہ کا تراشا ہوا نظریہ ارتقاء اتنا ظاہر فریب ہے کہ مسلمانوں کا بھی ایک بڑھا نکھا طبقہ اس کے دھوکے میں آ گیا ہے اور بعض علماء تک مغالطہ کھا گئے ہیں۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ اس امر کا تسلیم کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

لیکن اس خیال کے حامل ایک کرم فرما کے طویل مراسلے پر نقد کرتے ہوئے تجلی ثابت کرے گا کہ نظریہ ارتقاء اور قرآنی وضاحتوں میں تضاد و منافات کی نسبت ہے۔ ایک کو ماننا دوسرے کے انکار کے بغیر ممکن نہیں اور ہر مسلمان کو اس شکل و شکل پر نظریے کے باطل پہلوؤں سے آگاہ ہو جانا چاہیے۔

بجلی اور ریل ہمارے قبضے میں نہیں۔ اگر نظام میں کچھ سدھار ہو گیا تو ہمیں امید ہے کہ انشاء اللہ اکتوبر کے آخری عشرے میں یہ خاص نمبر آپ کے ہاتھوں میں ہو گا نہ ہوا تو دس پانچ دن کا انتظار مزید بہر حال تقدیر الہی کہلائے گا۔

”تجلی“ اپنے اس نمبر کو ان تمام علماء و مفکرین کے آگے چیلنج کی حیثیت سے پیش کر رہا ہے جو یہ خوش فہمی رکھتے ہیں کہ نظریہ ارتقاء کوئی علمی نظریہ ہے اور اس کی صحت کا امر کا تسلیم کر لینے میں تشریح آن حامل نہیں ہے۔

واللہ الموعین نصر اللہ علی من یرید

## اگر تہذیب تو لے رہی فریاد



تجلی کا روٹا پیرانا ہو چکا۔ اب تو یہ ڈر لگنے لگا ہے کہ کہیں زیادہ ذکی احساسِ فائر میں یہ بدگمانی نہ فرمائے لگیں کہ تجلی والوں نے "تجلی" ہماری چڑھ بنالی ہے۔ پھر بھی سچ تو سچ ہی ہے۔ ایمانِ نمبر کی کاپیاں جولائی کے پہلے ہی پتے پر پس جانی شروع ہو گئی تھیں اور پوری توقع تھی کہ اعلان کے مطابق تیسرے عشرے میں ہدیہ ناظرین کیا جاسکے گا لیکن وسط جولائی سے تجلی کا حال اتنا سقیم ہوا کہ ناکفہ بہ سے بہتر لفظ اس کے لئے کوئی نہیں آئی۔ دس منٹ رہی۔ دو گھنٹے کو بھاگ گئی۔ زدن میں تسلسل نہ رات میں۔ ایک منزل کتابت شدہ کاپیاں جمانے کی ایسی بھی آتی ہے جس میں تجلی کا دفعتاً بھاگ جانا ایسا ہی ہوتا ہے جیسے آپریشن کے دوران گھپنا نہ صبراً چھسا جانا۔ اس حادثے میں لکھی لکھائی کاپی مکمل طور پر برہا بھی ہو جاتی ہے اور ناقص تو بہر حال ہوتی ہی ہے۔ اس بار یہ بھی حادثہ پیش آکر رہا اور مالی نقصان سے کہیں بڑھ کر وقت کے ضیاع نے صبر و سکون کی چولیس ہلائیں۔

تجلی کی بدترین حالت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ

کبھی کبھی تو ان خطوط کو پڑھ کر آنکھیں نم ہو جاتی ہیں جن میں تجلی کے قارئین محترم کی طرف سے رسالہ نہ پہنچنے پر احتجاج کیا جاتا ہے۔ شدید انتظار، تڑپ، تنگدہ، فریاد، غصہ اور تمللا بہٹ گیا نہیں ہوتا ان میں۔ یہ سارے جذبات کیفیات ظاہر ہے کہ منظر ہوتے ہیں اس گہرے تعلق اور اہل بیت کی وابستگی کا جسے ٹولا یا نا پائیا نہیں جاسکتا بس محسوس کیا جاسکتا ہے آنکھوں کی نمی کو جذبہٴ شکر کی نمود کہہ لیجئے۔ شکر اس خدائے رؤف درحیم کا جس نے ایک ہم جیسے بے بضاعت کی کاشتوں کو ہزاروں بندگانِ خدا کی نظروں میں محبوب بنایا اور نہ کہا ایک خشک دینی و علمی پرچہ اور کہاں یہ ناقابلِ قیاس مقبولیت مقبولیت کا احساس اس وقت خاص طور پر ہوتا ہے جب پرچہ غیر معمولی طور پر لریٹ ہو جاتا ہے اور صد ہا خطوط ساون کی چھڑی کی طرح برہتے ہیں۔

ایمانِ نمبر بھی لریٹ ہوا۔ کہانی سننے کے قابل ہے بشرطیکہ آپ "عذر گناہ بدتر از گناہ" والی کہادت کو بے محل استعمال کرنے کے عادی نہ ہوں۔

دیوبند کے سردمزاج عوام بھی آخر کار تنگ آمد بھجگ آمد کی شیط پر آ ہی گئے اور شروع اگست میں وہ طوفان برپا ہو کر بعض عالی مرتبہ شہزادوں کو بھی خواب خرگوش سے چونکا پڑا۔ پہلے تو جلوس نکلا۔ کچھ توڑ پھوڑ ہوئی۔ کوئی ہٹ بھی گیا۔ پھر عین تھمیل اور تھانے کی ناک کے نیچے جلسہ ہوا جس میں گرامر تقریروں کے بعد چار افراد نے اعلان کیا کہ وہ بھوک ہڑتال پر بیٹھ رہے ہیں۔ پھر وہ بیٹھ بھی گئے۔ ساتھ ہی شہر گیر ہڑتال ہوئی۔ تاہم اور فون کھڑے۔ مدرسہ دارالعلوم دیوبند نے بھی احتجاجی جلسہ اور لوگوں کی دن ادھر ادھر بھاگے دوڑے۔

بات یہ ہے کہ تجلی کی پیداوار کم ہو تو یہ ایک معقول عذر ہو سکتا ہے لیکن معقولیت اور سرکاری انتظام میں شاید اب تیرٹھن گیا ہے۔ کبھی دیوبند چھوٹا سا تھا۔ بجا طور پر اسے سجلی کے حکمے نے ”دیہات“ کی فہرست میں شامل کر رکھا تھا۔ پھر یہ پھیل گیا۔ بڑھنا گیا۔ نوبت بہ این جا رسید کہ دو دو منصف بیسیوں کارخانے سیلر۔ شوگر میل موٹریں بلوئیں۔ سب کچھ وہ جس سے کوئی بستی ”شہر“ کا عنوان پاتی ہے۔ مگر سرکاری عینک ہی دوسری ہے۔ وہ اس طرح کی تباہیوں میں حصّہ تقریباً دیکھ سکتی ہے ان سے مناسب نتائج اخذ نہیں کر سکتی۔ اگر کہ سکتی تو متعلقہ محکمہ کو خود ہی سابقہ تقسیم درجات پر نگاہ ثانی کر کے دیوبند کو شہروں کی فہرست میں لے لینا چاہیے تھا مگر خدا نہ کرے وہ اتنی سعادت مند کیسے ہو جائے۔ غضب تو یہ تھا کہ نہ کوئی اعلان نہ اطلاع۔ جب جس وقت چاہا کرنٹ دیا گیا۔ آج دن میں آٹھ گھنٹے غائب رہی تو کل رات میں غائب ہو جائے گی۔ غائب اور حاضر کی گردان بھی عجیب عجیب تر۔ جیسے کوئی شہر بریج میں سوئچ پر بیٹھ کر کھلند پڑیاں کر رہا ہو کہ کبھی سوئچ نیچے کیا کبھی اوپر۔ یہ ستم ظریفی نہ ہوتی تو دیوبند کے برقیے عوام شاید اس پر بھی صبر کر لیتے کہ آٹھ یا دس گھنٹے ہی انھیں بجلی میسر آتی رہے۔ سلسل کی صورت میں کوئی تو ڈھنگ کا بہرہ وگرم سن سکتا تھا لیکن آنکھ چوٹی نے کتنی ہی شہینوں کے متعدد دہرے خراب کیے۔ اسلامی بریس کو بھی

کئی بار صدہ پہنچا۔ ہڈیاں ٹوٹیں اور مرہم پٹی کرانی پڑی۔

بھوک ہڑتال سے بچاس آدمی بھی انتقال کر چکے تو ساری شاندار انتظامیہ کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگ سکتی بشرطیکہ اسے یہ اطمینان ہو جائے کہ خود اس کے ہاتھ پر سلامت رہ جائیں گے اور خیر عافیت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ لیکن یہاں معاملہ دوسرا تھا۔ اسکول کالج کے لڑکوں نے ابتدائی رہبر سل ہی میں کچھ فیشے وغیرہ توڑ کر اور ایک ”غریب“ کو پیٹ کر شہر اخیر خوش آئند تاثر دیا اور بالکل توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ ستم ظریفی کی اگر یہی روش جاری رہی تو یہاں بجلی کے کھمبے اپنے پیروں پر کھڑے رہ سکیں گے۔

مال کار دو ہی تین روز میں خواجگان وقت کو محسوس کرنا پڑا کہ دیوبند یا شاہ اللہ اب درودہ بیتا بچہ نہیں ہا۔ دائرہ ہی ہو کچھ بچنے لگی ہے خیریت اسی میں ہے کہ اسے ”دیہات“ سے خارج کر کے ”شہر“ میں داخل کر دیا جائے اور جو سلیک آس پاس کے شہروں سے ہو رہا ہے وہی اس سے بھی ہو۔

یہ داستان ابھی آگے بھی جاتی ہے مگر بیچ میں ہرگ کر ذرا وہ مزید افساد بھی زریب ساعت ہو جائے جس نے ”اسمان نمبر“ کو اور زیادہ لپیٹ کیا۔ نمبر یکم اگست کو پوسٹنگ کے لئے تیار تھا لیکن ریل والوں نے کہا کہ بھائی ایسی بھی کیا جلدی ہے ہمیں بھی تو ہڑتال کر لینے دو۔ بس پھر ایک دو کو چھوڑ کر ساری گاڑیاں جامد ہو گئیں۔ دیوبند سے ڈاک پہلے سہا رنہور جاتی ہے وہاں سے ادھر ادھر پھلتی ہے۔ سہا رنہور تک پہنچنے کے لئے ڈاکخانے والوں نے بس کا سہارا لیا اور ہمیں چند روز اس انتظار میں کرکنا پڑا کہ ریل شاید آج کل میں کھل جائے۔ مگر تقویر بہر حال تقدیر ہے۔ جب ہڑتال ختم ہونے کے آثار نظر نہ آئے تو ڈاک خانے والوں نے منظور کیا کہ تجلی کو تھوڑا تھوڑا کر کے بس ہی سے ڈھو

کا پھر ویسا ہی حال ہوتا جا رہا ہے جیسا پہلے تھا۔ انیس بیس کا فرق ہو تو ہو۔ ہمارا دوپہر کا سونا بہر حال ختم مشین کا پہرہ پھر اسی بیج پر آگیا۔ پتا نہیں دیوبند پھر دیہات میں چلا گیا ہے یا الیکٹرک مشینیں ہی چلتے چلتے ختم گئی ہیں۔ نکلنے تک تو غنیمت ہو گا۔ سنا کہ پھر تازہ دم ہو جائیگی مگر بعض راوی یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ بوڑھی ہو گئی ہیں۔ بڑھاپے کی شان ہی الگ ہے۔ جوانی بھلا کس کی لوٹی ہے جو ان کی لوٹنے گی۔ پھر تو اس ساعت سعیا کا انتظار کرنا پڑے گا جبے وقت کا مغنی پُرسوز آواز میں گائے۔

بس آج چپین سے تیار دار سو جا میں

مرض اب نہ کہے گا کہ سحر نہیں ہوتی

کل کیا ہوتا ہے خدا جانے۔ فرعونیت کی یہ نرالی قسم ہے کہ حکمہ برق کے خداوندانِ نعمت کسی قسم کی وضاحت بھی نہیں کرتے۔ تجلی کم ہو، مشینوں میں گم ہالنگ گیا ہو، اور کوئی افتاد پڑی ہو۔ خبر تو دیں کہ بات یوں ہے۔ تو بہ کیجئے۔ ان کی بنا سے کسی پر کچھ ہی گذر جائے۔ نظام اگر ماضی مرحوم کے مطابق کسی پرائیویٹ کمپنی کے ہاتھ میں ہوتا تو یہ سب ممکن نہ تھا۔ خدا رحم کرے تو میانے کے شوقی و سداواں پر۔ اب نظام سرکارِ عالیہ کے دستِ ناز میں ہے اور تجلی کے صدارتوں کی حیثیت گاکاک کی نہیں ہے بلکہ غلاموں کی ہے جنہیں اچھی طرح چہرہ پریت کا مزہ اچھکنا پڑے گا۔

بینک تو میانے گئے تھے۔ ہو سکتا ہے انھوں نے حکومت کے لئے سونے کے اندے دینے شروع کر دیئے ہوں مگر ہمیں تو نقد نقصان ہی پہنچا ہے۔ بلٹیوں کی آمد و رفت کے سلسلے میں ہمیں بھی سابقہ پیش آتار ہتا ہے۔ کئی بار ایسے نقصانات پیش آئے جنہیں بینک والوں کی غفلت اور لاپرواہی کے سوا کوئی عنوان نہیں دیا جا سکتا۔ فریاد کہاں کریں کس سے کریں۔ ہر ملازم اپنی جگہ بادشاہ ہے۔ مہیڈ کلرک چسپہر اسی کو ڈالنے کی ہمت نہیں کر سکتا حالانکہ بعض چسپہر اسیوں کی چلت پھرت کا حال خود ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے جیسے فرش نخل پر جناب کے پاؤں چھلے جا رہے ہوں۔ میچ صاحب نام اور

دیں گے۔ بچارے کرتے بھی کیا۔ بس میں ریل جیسی گنجائش تو ہوتی نہیں۔ اندر سواریاں، اوپر سامان، مشکل سے تین چار بورے روز جا سکتے تھے۔ خدا انھیں خوش رکھے نخرے تو نہیں دکھائے۔ مگر بڈنگ کی تکمیل میں تقریباً دس دن ضرور لگے۔ کہیں کہیں تو یہ نمبر ۷ ارادہ ۸ ارادہ کو پہنچا ہو گا حالانکہ حکیم اگر تک تک مکمل ہو گیا تھا۔

اور سنئے۔ کہاوت ہے کہ مرنے کو مارے شاہ مدار۔ وہ سنڈل جو ریل سے جاتے ہیں تیار پڑے تھے بلکہ کچھ تو اسٹیشن بھی جا چکے تھے کہ دفعتاً اسٹیشن والوں نے تشریف دی کہ میں تک لو ڈنگ بند ہے لمبی تان کر سو جاؤ۔ ابے یا وہ گاڑیاں بھی جو ہڑتال کی زد سے بچی ہوئی تھیں ہمارے لئے کاغذ پر لگتی۔ حساب لگا کر دیکھا کہ ریل کے بجائے ان بنا لیں کو کھول کھال کر ڈاکخانے سے روانہ کیا جائے تو کیا خرچ آئے۔ جو اب نکلا کہ تقریباً پانچ گنا بظاہر ہے یہ سنڈل ایجنٹوں کے لئے تھے اور ایجنٹ پر یہ فصل خرچ پڑ جائے تو غریب کماٹے گا کیا۔ خود ادارہ یہ سارا خرچ اٹھا لیتا اس میں بھی مقبولیت نہیں تھی۔ مقبولیت اس لئے نہیں تھی کہ گھاس سے یا دری کرنے والے گھوڑے زناہ کتنے دن رہ سکتے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ بعض اور مظلوموں کی طرح تجلی کو بھی خون کے آنسو رونے پڑیں اور اسپیس شامع ہوں کہ خدا راداد جب زمین جلدی بھی جو زناہ ہمارا اٹھرا غرق ہو جائے گا۔

آئیے پھر تجلی کی طرف۔

آٹھ دن تو ٹھٹھاٹ ماندھ دیتے۔ چوبیسوں گھنٹے چلی آرہی ہے۔ کسی وقت بھائی بھی تو فوراً ہی لوٹ آئی جیسے کوئی ڈنڈا لئے سر پر پھڑا ہو۔ ہم نے سوچا چلو دیوبند کے دن پھرے۔ اب تجلی بھی وقت پر نکل سکے گا۔ ۸ ارادہ کو ستمبر کے زبردست شمارے کی پہلی کاپی چھپی شروع ہو گئی مگر فلک کج رفتار کو خدا سلامت رکھے۔

پھر وہی ہم ہیں وہی باد یہ پھانی ہے

اب جب کہ یہ سطور لکھی جا رہی ہیں رفتہ رفتہ مر لیضہ

انتظار کا وقت لائیں۔ حالات سدھرنے کی جلد نذر کوئی توقع نہیں۔ جب کبھی سادھرے بہاری بڑیاں بھی خاک پر چکی ہوں گی۔ پھر کیوں نہ ہم اس ملاح جیسے بن جائیں جو عین طوفان کے آشوش میں ایک کستہ سی تثنیٰ پر بیٹھا بے فکری کی تانیں اٹوارہا تھا۔ پوچھا گیا کہ پگلے تم مرنے جا رہے ہو۔ کشتی اب ڈوبی اور تب ڈوبی۔ یہ اہلہا نا کس خوشی میں؟

ملاح نے جواب دیا — موت زناہ کی کو ایک بل کی جہلت نہیں دیتی۔ پھر زندگی موت کو ایسا ایک بھی لمحہ کیوں دے۔ جب تک میں زندہ ہوں زناہ کی میری ہے۔ اس کی خوشیاں اس کی ترنگیں اس کی موسیقی میری ہے۔ میں آخری سانس تک اس سے لطف اندوز ہوگی۔ کشتی ڈوبتی ہے ڈوب جائے۔ میں پہلے ہی سے عم کیوں کروں۔

یہ ہے ہمارا انداز فکر۔ لہذا نوٹ کیجئے کہ اگلے ماہ پھر ایک خاص نمبر آرہا ہے۔

نظریہ اس تقاضا منصبی — جی ہاں اگلا ہی شمارہ یہ زیادہ ضخیم تو نہ ہوگا مگر عام شماروں سے ضخیم ہی ہوگا۔ اکتوبر کے ادھر تک اسے ہم منظر عام پر لانے کی کوشش کریں گے۔

نظریہ ارتقاء ایک خشک فلسفیانہ موضوع ہے۔ لیکن ہم حتی الوسع اسے پانی میں بھگوئیں گے۔ کم سے کم یوریت کی نوبت انشاء اللہ آپ کو نہ آئے گی۔ اسی عادت کے مطابق دوسرے مضامین بھی اس نمبر میں دیں گے۔ مثلاً تو بہر حال جان کالا گو ہے ہی۔ اسے ہم بھی کا داغ مفارقت دیکھ چکے ہوتے مگر ان ہزاروں فارمین کا کیا کریں جنکی دانست میں دسترخوان پر اچار چینی کی موجودگی ضروری ہے۔ کبھی کبھی ملا بہت ہی اوٹ پٹانگ لکھتا ہے لیکن اسکی ناک میں نیل کون ڈالے۔ جیسے عورتوں کا معاملہ ہے کہ سبلی کے مانند ہیں۔ سادھی کرنے کی کوشش کرو گے تو نوڑ دو گے اسی طرح ملا تھی تہذیب و تربیت کم سے کم ہمارے بس

تنخواہ کے اعتبار سے بے شک میجر ہوں مگر آگے فقط والسلام۔ ڈانٹ ڈھپٹ تو دور کی چیز ہے نارمل لہجے میں بھی انھیں عجز و انکسار کی ایک ٹانگ کرنی از بس کہ ضروری ہے ورنہ وہ خوب جانتے ہیں کہ عملہ کسی بھی وقت جمہوریت زندہ باد اور آزادی پائنت ہ باد کے نعرے لگا کر انھیں میجر کی ناپچی طرح سکھا دے گا۔

گہیوں تو میا یا گیا — برگ و بار ملک کے سامنے ہیں۔ عیاں را چہ بیاں — تعلیم بھی تو میانی جا رہی ہے۔ اصطلاحات کے صدارتے جائے۔ سوشلزم، فلاسفی ریاست عوامی ہیوڈ، ان کی مار سے عوام کی مکر خم ہے اور ہر نیا سورج نئے دسوس اس و خطرات کو ابھارتا ہوا طلوع ہو رہا ہے۔ عوام بھی کسی سے کم نہیں۔ جب ان میں سے کسی کو کسی ملتی ہے تو وہ بھی اپنا سارا اگلا پھلا حساب عوام ہی سے چکاتا ہے۔ دولت عورت شراب۔ اس پرانے مثلث میں خاندانی منصوبہ بندی والے شرح نگیوں کی طرح نازگی اور نئی آب و تاب آرہی ہے۔ مولوی صوفی، نیٹت، ہہاتما سب مفادات عاجلہ اور مال و متاع دنیا کے ارد گرد طواف کر رہے ہیں۔

یہ حالات ایسے تو نہیں کہ آدمی سکون سے اپنا کام جاری رکھ سکے۔ مگر ہم کسی اور طرح سوچتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ رکاوٹیں اور دشواریاں زندہ گی کا لازمہ ہیں۔ مایوسی کفر ہے۔ یا مردی سے جلد و جہد میں لگے رہنا ہی ہمارا فرض منصبی ہے۔ نتائج و عواقب مشیت کے اختیار میں ہیں۔ دشوار لوں کا آج کل شمار ہی کیا مگر کارساز حقیقی تو آلاؤ میں بھی گلزار کھلا سکتا ہے دل اس کی مشیت پر صابر و شاکر اور ذہن اس کے فضل و کرم سے خوش امید ہو تو اندھیروں میں بھی کیموں کی بارش محسوس کی جاسکتی ہے۔ جو کچھ بھی ہمیں کرنا ہے بہر حال اسی چند روزہ زندہ گی میں کرنا ہے۔ اب بوڑھا پادروانے کی کندھی کھٹکھٹا رہا ہے۔ کہاں سے

کار وگ نہیں۔ جو سنجیدہ حضرات اس کی بکواس کو دامن  
تجلی کا داغ سمجھتے ہیں وہ اگر اسے گری مار دیں تو ہم اس کے  
ممنون ہوں گے۔ یہ الگ بات ہے کہ رشتے کی باریکیوں کی  
وجہ سے ”خس کم جہاں پاک“ پھر بھی نہ کہہ سکیں گے۔

آج ۲۵ اگست ہو گئی۔ ریلوے نے اب بھی بندل  
لینے سے انکار کر دیا۔ ان مقامات کا لوڈنگ کھلا ہی نہیں  
جہاں یہ بندل جانے ہیں۔ اب سوائے اس کے کیا ہو گا  
کہ ادارہ ڈاک خانے کا پانچ گنا ٹھیکوں برداشت کرے  
اور موصلات کے ٹکڑے کو پانی پی پی کر دعائیں دے۔

بعض سنجیدہ قارئین پسند نہیں کرتے کہ ”آغاز سخن“  
کے اہم کالم میں ایسے پوگس اور ذاتی موضوعات چھیڑے  
جائیں۔ ہم ان کی سنجیدگی کو مرعہ جانتے ہیں۔ مگر وہ اس حقیقت  
کو نظر انداز نہ فرمائیں کہ ادارہ تجلی اور قارئین تجلی ملکر  
ایک کنبہ بناتے ہیں اور کنبے کے ہر فرد کا حق ہے کہ ایک  
دوسرے کے ضروری حالات سے باخبر رہے۔ اتنے ہزاروں  
شائقین کو تجلی کے انتظار شدید کی تکلیف برداشت کرنی  
پڑتی ہے۔ کبھی کبھی نہیں بلکہ اکثر و بیشتر۔ انھیں کم سے کم یہ بتانا  
تو ہمارا فرض ہے ہی کہ اس تکلیف کی ذمہ داری ہماری  
غفلت یا تساہل پر نہیں بلکہ ان حالات و حوادث پر ہے  
جنھیں ہم اور آپ شائستہ الفاظ میں ”مشیت الہیہ“  
کہتے ہیں۔

شکر ہے آج تک ایسا کبھی نہیں ہوا ہے کہ انتظار کے  
بعد جو شمارہ قارئین کو ملا ہو اس نے سارا ملال اور ساری  
کوفت نہ دھو دی ہو۔ اس ہم بسا غنیمت امت۔ اللہ کے  
خصوصی فضل و کرم کا شکر کن لفظوں میں ادا کیجئے۔ جو تیس  
سال ہونے کو آئے۔ نہ کوئی خریدار پیسے مانتا ہے نہ کوئی  
ایجنٹ بددیانتی کرتا ہے۔ اس طویل عرصے میں چار پانچ  
ہزار کی اونچ نیچ ہوتی ہو تو وہ قابل ذکر نہیں۔ اسکے پیچھے  
بھی کسی کی بے ایمانی کار فرما نہیں رہی۔ بس حوادث

آفات اور اتفاقات کے تحت کچھ لوگوں سے ما و جب کی  
ادائیگی نہ ہو سکی۔ کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ خوفناک منزل  
بہر حال خدائے رؤف و رحیم نے تجلی پر کبھی آنے نہیں دی  
کہ وہ نادہندہ ایجنٹوں اور خریداروں کے سلسلے میں آہ دیکا  
پر مجبور ہو۔ الحمد للہ فالحمد للہ۔ اور تحریکِ نعمت کے طور  
پر یہ بھی سن لیجئے کہ باوجود ضرورت محسوس کرنے کے وہ  
تصویر والے اشتہارات اور فیملی پلاننگ بائینک اور  
سودی فرضوں سے متعلق اشتہارات کو بر ملا رد کرنا رہا ہے  
اور خود حکومت کی طرف سے اشتہار کی پیشکش کے سلسلے میں  
آنے والے مکتوب کا جواب صاف صاف لکھا گیا ہے کہ مذکورہ  
قسم کا کوئی اشتہار قبول نہیں جائے گا۔

اسے سچی یا صحیحیت کی نمائش کا نام نہ دیجئے صحیحیت  
کجا اور ہم جیسا گناہ گار کجا لیکن پڑھا ہے کہ پچھلے زمانے میں  
چور اور ڈاکو بھی کچھ اصول رکھتے تھے۔ تو کیا ہم چوروں اور  
ڈاکوؤں سے بھی گری جائیں کہ کوئی اصول ہی نہ ہو۔ بعض  
کرم فرما کہتے ہیں کہ تم جس جماعت کے گنیت گاتے ہو اسی  
سے متعلق بعض پیرچے تصویریں چھاپنے لگے ہیں اور دعوت  
تک میں فیملی پلاننگ کا اشتہار اچکا ہے۔ ان کو ہمارا جواب  
پہلے بھی یہی تھا اور مرتے دم تک انشاء اللہ یہی رہے گا کہ  
اسی جواب دہی ہر شخص کو خود کرنی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان  
حضرات کو جواز کی کوئی دلیل مل گئی ہو اور قیامت کے دن  
خدا کو یہ قائل کر سکیں۔ یا ہو سکتا ہے کہ ان کے پاس  
عبادت و ریاضت اور حسن عمل کا سرمایہ اتنا زیادہ ہو کہ  
وہ یوم الحساب سے مطمئن ہو گئے ہوں۔ پھر بھلا ہم جیسا خطا  
کار اور عیب ذلیل ان کی حوصلے کس بوتے پر کر کے بگاڑا انھیں  
ان کی صواب دید اور طرز فکر مبارک۔ ہم بہر حال طے کر  
چکے ہیں کہ اصول و عقائد کی قیمت پر پیسہ حاصل نہیں کریں گے  
چاہے روکھی سوکھی پر سب اوقات کی نوبت آجائے۔

مری نظریں ہی میرے سر سے ہر جا سے

زمانہ کاٹ تو ڈالے مگر جھکانہ سکے

تمام حمد اللہ ہی کیلئے ہے اور وہی ہے جو اپنے فضل سے

عزم و حوصلہ عطا فرماتا ہے۔ ورنہ ٹھھی بھر ٹپڑیوں کا ڈھیر۔  
 انسان — ہے ہی کیا۔ ہوائے تند کا ایک ہی چھوٹکا  
 اسے خشک پتے کی طرح ہوا میں اڑ سکتا ہے۔  
 ذَلَيْظُ إِلَّا نَسَانٌ مِمَّا  
 پھر انسان نظر تو ڈالے کہ دکھ  
 خَلِقَ خَلْقًا مِنْ مَّاءٍ  
 چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ محض ایک  
 ذَاتِ يَمْخُوجُ مِنْ بَيْنِ  
 (حقیر) اچھلنے والے نظر آتے  
 الصَّلْبِ وَالذَّرَائِبِ - جو پٹھ اور چھاتی کے درمیان نکلتا ہے

دفتری خط و کتابت میں اپنا خریداری نمبر  
 نہ بھولا کریں ورنہ ممکن ہے دفتر سے جواب  
 میں تاخیر ہو اور آپ کے کسی حکم کی تعمیل دشوار  
 ہو جائے۔  
 آپ کا خریداری نمبر آپ کے پتے کی چٹ پر درج  
 ہوتا ہے اسے ہمیں نوٹ فرمائیے۔ (نیچو)

### متکلمین "مجرموں" کے کٹہرے میں

دہلی کے سہ ماہی اسلام و عصر جدید کے بولائی نمبر میں  
 ایک جدید مفکر اعلیٰ نے ایک سلحھا ہوا بٹری حد تک متوازن  
 و معتدل مقالہ "علم کلام کی حقیقت" پر سپرد قلم کیا ہے۔  
 مگر اس کے آخری حصہ میں ایک مشہور و معروف فاضل کے  
 قلم سے عبارت نقل کر کے متکلمین پر خاصی لے دے کی ہے۔  
 اور اپنی طرف سے کوئی بھی دفاع متکلمین کی طرف سے نہیں  
 کیا ہے متکلمین کی تنقید بلکہ تنقیص کی بنیاد اس عبارت پر ہے۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لہو جس زمانے میں

ہوا۔ روم و مصر و شام و ایران میں فلسفیانہ علوم

اور الہیات کے شکر و شہادت پورے کے پورے

موجود تھے مگر ان کی اصلاح علم کلام کی ایجاد سے نہیں

کی گئی بلکہ قوت ایمان اور حسن عمل کی زندہ مثالوں

نے ان شکر و شہادت کا پردہ چاک کر دیا۔"

لیکن انھیں بزرگ سے جو تاریخ کے فاضل تھے وہی تھے  
 اس جہزی کا سوال ہے نہ فلسفیانہ شکر و شہادت اور رسول  
 اور سفیض روم و مصر یونان و ایران، چین و جاپان دنیا کے  
 جس خطے میں بھی ہوں عہد رسالت میں عرب میں کہاں تھے؟  
 مجاز و بجد میں کس کس صحابیؓ کے دل میں شکر ہوا بر بھی تھے؟  
 ظاہر ہے کہ جب تک صحت اچھی ہے انسان کو درد اور  
 علاج کی ضرورت ہی کیا ہے۔ یہ توجہ انسان بیمار پڑتا ہے۔  
 جب علاج معالجہ کی طرف ذہن جاتا ہے۔ آفتاب کی روشنی

میں قدریں دلائلین کی ضرورت کس کو پڑی ہے۔ یہ توجہ  
 تاریکی ہر لیتی ہے تب شمع بھی بہت غنیمت معلوم ہوتی ہے۔  
 یہ توضیح کا پورا ادور بلکہ خلفائے بنی امیہ کا بھی دور گذرنے  
 بلکہ خلفائے عباسیہ کے بھی ابتدائی دور کے گذرنے کے  
 بعد جب یونانی کتابوں کے ترجمے عربی میں ہوئے جب جاہ  
 شکوک و شبہات کا فتنہ امت کے اندر پیدا ہوا اور  
 جھمی ضرورت، تاریکی کے لئے روشنی کی اور بیماری کے لئے  
 علاج کی پڑی۔ محدثین، فقہاء زیاد و عباد اس فن سے نا آشنا  
 ہونے کے باعث اس ضرورت کے لئے محض بیکار تھے۔  
 آخر متکلمین ہی آڑے آئے اور انھوں نے دین و مذہب کی  
 طرف سے دفاع کا حق ادا کر دیا۔ اس لئے وہ داد و تحسین کے  
 مستحق ہیں نہ کہ مذمت و ہجو کے۔ اور ہمارے محترم و ملت کے  
 معظم قلم اگر غلبہ رخصتیت سے اتنا مغلوب الحال نہ ہو گئے ہوتے  
 تو وہ خود بھی کرتے اور ہم سب سے بڑھ کر کرتے۔ (صدق جڈ لکھنؤ)

حرام مال سے صدقہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

اگر کوئی اسے اپنی ذات اور گھر پر خرچ کرے تو

برکت سے خالی ہوگا۔ اگر چھوڑ کر مرے تو جہنم کیلئے

زاد راہ بنے گا۔ (حدیث)

مومن وہ ہے جو خوشی کے موقع پر خدا کا شکر ادا

کرتا ہے اور تکلیف اور مصیبت کے موقع پر صبر و رضا

سے کام لیتا ہے۔ (حدیث)

انس۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

# تفہیم القرآن

## سورۃ مائدہ

نام پہلی ہی آیت کے لفظ المتقین کو اس سورہ کا نام قرار دیا گیا ہے۔ یہ صرف نام ہے، اس کے مضمنا میں کا عنوان نہیں ہے۔

زمانہ نزول اس سورہ کے دور کوغ دو الگ زمانوں میں نازل ہوئے ہیں۔

پہلا رکوع بالاتفاق مکی ہے اس کے مضمنا میں اور احادیث کی روایات دونوں سے یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ رہا یہ سوال کہ مکی زندگی کے کس دور میں نازل ہوا ہے۔ اس کا جواب ہمیں روایات سے تو نہیں ملتا، لیکن اس رکوع کے مضمنا میں کی داخلی شہادت اس کا زمانہ متعین کرنے میں بڑھی مدد دیتی ہے۔ اولاً اس میں رسول اللہ علیہ السلام کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ راتوں کو اٹھ کر اللہ کی عبادت کیا کریں تاکہ آپ کے اندر نبوت کے بارے میں کو اٹھانے اور اس کی ذمہ داریاں ادا کرنے کی قوت پیدا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم حضور کی نبوت کے ابتدائی دور ہی میں نازل ہوا ہو گا جب کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس منصب کے لئے آپ کی تربیت کی جا رہی تھی۔

ثانیاً اس میں حکم دیا گیا ہے کہ نماز تہجد میں آدھی آدھی رات یا اس سے کچھ کم و بیش قرآن مجید کی تلاوت کی جائے۔ یہ ارشاد خود بخود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس وقت قرآن مجید کا کم از کم اتنا حصہ نازل ہو چکا تھا کہ اس کی طویل قرأت کی جاسکے۔

ثالثاً اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فحش فیمن کی زیادتیوں پر صبر کی تلقین کی گئی ہے اور کفار مکہ کو عذاب کی دھمکی دی گئی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رکوع اس زمانے میں نازل ہوا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کی علانیہ تبلیغ شروع کر چکے تھے اور مکہ میں آپ کی مخالفت زور پکڑ چکی تھی۔

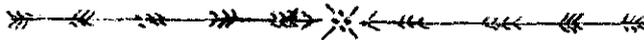
دوسرے رکوع کے متعلق اگرچہ بہت سے مفسرین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ بھی مکہ ہی میں نازل ہوا ہے لیکن بعض دوسرے مفسرین نے اسے مدنی قرار دیا ہے اور اس رکوع کے مضامین سے اسی خیال کی تائید ہوتی ہے کیونکہ اس میں قتال فی سبیل اللہ کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ مکہ میں اس کا کوئی سوال پیدا نہ ہوتا تھا اور اس میں فرض زکوٰۃ ادا کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے اور یہ بات ثابت ہے کہ زکوٰۃ ایک مخصوص شرح اور فصاحت کے ساتھ مدینہ میں فرض ہوئی ہے۔

موصوع اور مضامین | پہلی سات آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ جس کا رخصت کا بار آپ پر ڈالا گیا ہے اس کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے آپ اپنے آپ کو تیار کریں اور اُس کی عملی صورت یہ بتائی گئی ہے کہ راتوں کو اٹھ کر آبِ آدھی آدھی رات، یا اس سے کچھ کم ہمیشہ نماز پڑھا کریں۔

آیت ۸ سے ۱۲ تک حضور کو تلقین کی گئی ہے کہ رب سے کٹ کر اُس خدا کے پور ہیں جو ساری کائنات کا مالک ہے۔ اپنے سارے معاملات اسی کے سپرد کر کے مطمئن ہو جائیں۔ مخالفین جو باتیں آپ کے خلاف بنا رہے ہیں ان پر صبر کریں، اُن کے منہ نہ لگیں اور ان کا معاملہ خدا پر چھوڑ دیں کہ وہ ہی اُن سے نمٹ لے گا۔

اس کے بعد آیات ۱۵ سے ۱۹ تک مکہ کے اُن لوگوں کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر رہے تھے متنبہ کیا گیا ہے کہ ہم نے اُسی طرح تمہاری طرف ایک رسول بھیجا ہے جس طرح فرعون کی طرف بھیجا تھا، پھر دیکھ لو کہ جب فرعون نے اللہ کے رسول کی بات نہ مانی تو وہ کس انجام سے دوچار ہوا۔ اگر فرض کر لو کہ دنیا میں تم پر کوئی عذاب نہ آیا تو قیامت کے روز تم کھر کی سزا سے کیسے بچ سکتے گے؟

یہ پہلے رکوع کے مضامین ہیں۔ دوسرا رکوع حضرت سعید بن جبیرؓ کی روایت کے مطابق اُس کے دس سال بعد نازل ہوا اور اس میں نماز تہجد کے متعلق اُس ابتدائی حکم کے اندر تخفیف کر دی گئی جو پہلے رکوع کے آغاز میں دیا گیا تھا۔ اب یہ حکم دیا گیا کہ جہاں تک تہجد کی نماز کا تعلق ہے وہ زحمتی یا سانی پڑھی جاسکے پڑھ لیا کرو، لیکن مسلمانوں کو اصل استقامت جس چیز کا کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ سب سے پہلے فرض نماز پوری پابندی کے ساتھ قائم رکھیں، فرضیہ زکوٰۃ ٹھیک ٹھیک ادا کرتے رہیں اور اللہ کی راہ میں اپنا مال غلہ اور نیت کے ساتھ صرف کریں۔ آخر میں مسلمانوں کو تلقین کی گئی ہے کہ جو بھلائی کے کام تم دنیا میں انجام دو گے وہ ضائع نہیں جائیں گے بلکہ ان کی حقیقت اُس سامان کی سی ہے جو ایک مسافر اپنی مستقل قیام گاہ پر پہلے سے بھیج دیتا ہے۔ اللہ کے یہاں پہنچ کر تم وہ سب کچھ موجود پایاؤ گے جو دنیا میں تم نے آگے روانہ کیا ہے اور یہ پیشگی سامان نہ صرف یہ کہ اُس سامان سے بہت بہتر ہے جو تمہیں دنیا ہی میں چھوڑا جاتا ہے بلکہ اللہ کے یہاں تمہیں اپنے بھیجے ہوئے اصل مال سے بڑھ کر بہت بڑا اجر بھی ملے گا۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لے اور ڈھ لپیٹ کر سونے والے رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر تم آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر لو، یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دو۔ اور قرآن کو خوب ٹھیر ٹھیر کر پڑھو۔ ہم تم پر ایک بھاری کلام نازل

۱۵ ان الفاظ کے ساتھ حضورؐ کو مخاطب کرنے اور پھر یہ حکم دینے سے کہ آپؐ اٹھیں اور راتوں کو عبادت کیلئے کھڑے رہا کریں، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اُس وقت یا تو آپؐ سو چکے تھے یا سونے کیلئے چادر اڑھ کر لیٹ گئے تھے۔ اس موقع پر آیہ کی آیت "یا اے رسول کہہ کر خطاب کرنے کے بجائے" اے اور ڈھ لپیٹ کر سونے والے" کہہ کر پکارنا ایک لطیف انداز خطاب ہے جس سے خود بخود یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اب وہ دور گزر گیا جب آپؐ آرام سے پاؤ پھیلا کر سوتے تھے۔ اب آپؐ پر ایک بڑا عظیم کابو جھ ڈال دیا گیا ہے جس کے تقاضے کچھ اور ہیں۔

۱۶ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ رات نماز میں کھڑے رہ کر گزارو اور اس کا کم حصہ سونے میں صرف کرو۔ دوسرا یہ کہ پوری رات نماز میں گزار دینے کا مطالبہ تم سے نہیں ہے بلکہ آرام بھی کرو اور رات کا ایک تلیل حصہ عبادت میں بھی صرف کرو۔ لیکن آگے کے مضمون سے پہلا مطلب ہی زیادہ مناسب ثابت رکھتا ہے اور اسی کی تائید سورہ دہر کی آیت ۲۶ سے بھی ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے "وَمِنَ اللَّیْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ مَا لَیْلًا طَوِيلًا"۔ "رات کو اللہ کے آگے سجاہ ریز ہزاروں رات کا طویل حصہ اُس کی تسبیح کرتے ہوئے گزارو۔"

۱۷ یہ اُس مقدار وقت کی تشریح ہے جسے عبادت میں گزارنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس میں آپؐ کو اختیار دیا گیا کہ خواہ آدھی رات نماز میں صرف کریں یا اس سے کچھ کم کریں یا اس سے کچھ زیادہ۔ لیکن انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ قابل ترجیح آدھی رات ہے، کیونکہ اُسی کو معیار قرار دے کر می دشمنی کا اختیار دیا گیا ہے۔

۱۸ یعنی تیز تیز دو اداں پڑھو، بلکہ آہستہ آہستہ ایک ایک نفاذ بان ادا کرو اور ایک ایک آیت پر ٹھیرو تاکہ ذہن پوری طرح کلام الہی کے مفہوم و مدعا کو سمجھے اور اسکے مضامین سے متاثر ہو۔ کہیں اللہ کی ذات و صفات کا ذکر ہے تو اسکی عظمت و سمیت دل پر طاری ہو۔ کہیں اسکی رحمت کا بیان ہے تو دل جذباتِ شکر سے لبریز ہو جائے۔ کہیں اسکے غضب اور اسکے عذاب کا ذکر ہے تو دل پر اس کا خوف طاری ہو۔ کہیں کسی چیز کا حکم ہے یا کسی چیز سے منع کیا گیا ہے تو سمجھا جائے کہ کس چیز کا حکم دیا گیا ہے اور کس چیز سے منع کیا گیا ہے۔ غرض یہ قرأتِ محض قرآن کے الفاظ کو زبان سے ادا کرنے کیلئے نہیں بلکہ غور و فکر اور تدبر کے ساتھ ہونی چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کا طریقہ حضرت انسؓ سے پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ آپؐ الفاظ کو کھینچ کھینچ کر پڑھتے تھے۔ مثال کے طور پر انھوں نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر بتایا کہ آپؐ اللہ رحمان اور رحیم کو نہ کیسا کھ پڑھا کرتے تھے (بخاری) حضرت ام سلمہؓ سے یہی سوال کیا گیا تو انھوں نے بتایا کہ حضورؐ ایک ایک آیت کو الگ الگ پڑھتے اور ہر آیت پر ٹھیرتے جاتے تھے مثلاً الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ پڑھ کر ٹھیر جاتے، پھر الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پر ٹھیرتے اور اسکے بعد ٹھیر کر صَلٰی یَوْمَ الدِّیْنِ کہتے۔ (مسند احمد، ابوداؤد۔ ترمذی) دوسری ایک روایت میں حضرت ام سلمہؓ بیان فرماتی ہیں کہ حضورؐ ایک ایک لفظ واضح طور پر پڑھا کرتے تھے (ترمذی۔ نسائی)۔ حضرت حذیفہ بن یمانہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رات کی نماز میں حضورؐ کے ساتھ کھڑا ہوا گیا تو آپؐ کی قرأت کا یہ انداز دیکھا کہ جہاں تسبیح کا موقع آتا وہاں تسبیح فرماتے، جہاں دعا کا موقع آتا وہاں دعا مانگتے، جہاں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کا موقع آتا وہاں پناہ مانگتے (مسلم۔ نسائی) حضرت ابودرداءؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ رات کی نماز میں جب حضورؐ اس مقام پر پہنچے اِنْ تَعَدَّ نَحْمًا فَاَنْعَمْ عِبَادًا رَبِّکَ وَاِنْ تَعَفَّفَ نَحْمًا فَتَانَعَمْ

کرنے والے ہیں۔ درحقیقت رات کا اٹھنا نفس پر قابو پانے کے لئے بہت کارگر اور قرآن پڑھنے کیلئے زیادہ موزوں ہے۔ دن کے اوقات میں تو تمہارے لئے بہت مصروفیات ہیں۔ اپنے رب کے نام کا

أنت العزیز الحکیم۔ اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف فرما دے تو تو غالب اور دانا ہے) تو اسی کو دہرائے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی (مسند احمد، بخاری)۔

یہ مطلب یہ ہے کہ تم کو رات کی نماز کا یہ حکم اس لئے دیا جا رہا ہے کہ ایک بھاری کلام تم پر نازل کر رہے ہیں جس کا بار اٹھانے کے لئے تم میں اس کے تحمل کی طاقت پیدا ہونی ضروری ہے اور یہ طاقت تمہیں اسی طرح حاصل ہو سکتی ہے کہ راتوں کو ایسا آرام چھوڑ کر نماز کیلئے اٹھو اور آدھی آدھی رات یا کچھ کم و بیش عبادت میں گزار کر و قرآن کو بھاری کلام اس بنا پر بھی کہا گیا ہے کہ اس کے احکام پر عمل کرنا اس کی تعلیم کا نمونہ بن کر دکھانا اس کی دعوت کو لیکر ساری دنیا کے مقابلے میں اٹھنا اور اس کے مطابق عقائد و افکار و اخلاق و آداب اور تہذیب و تمدن کے پورے نظام میں انقلاب برپا کر دینا ایک ایسا کام ہے جس سے بڑھ کر کسی بھاری کام کا تصور نہیں کیا جا سکتا اور اس بنا پر اس کو بھاری کلام کہا گیا ہے کہ اس کے نزول کا تحمل بڑا دشوار کام تھا حضرت زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اس حالت میں نازل ہوئی کہ آپ اپنا زانو میرے زانو پر رکھتے تھے میرے زانو پر اس وقت ایسا بوجھ پڑا کہ معلوم ہونا تھا اب ٹوٹ جائیگا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے سخت سردی کے زمانے میں چھوڑا پر وحی نازل ہوتے دکھی ہے، آپ کی پیشانی سے اس وقت پسینہ ٹپکنے لگا تھا اور بخاری مسلم مالک ترمذی نسائی) ایک درود اہل بیت میں حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ جب بھی آپ پر اس حالت میں وحی نازل ہوتی کہ آپ اونٹنی پر بیٹھے ہوں تو اونٹنی اپنا سینہ زمین پر ٹکادتی تھی اور اس وقت تک حرکت نہ کر سکتی تھی جب تک نزول وحی کا سلسلہ ختم نہ ہو جاتا (مسند احمد، عالم ابن جریر)۔

۱۵ اصل میں لفظ ناشیئۃ کثیر استعمال کیا گیا ہے جس کے متعلق مفسرین اور اہل لغت کے چار مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ناشیئۃ سے مراد نفس ناشیئۃ ہے، یعنی وہ شخص جو رات کو اٹھنے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد رات کے اوقات ہیں تیسرا قول یہ ہے کہ اس کے معنی ہیں رات کو اٹھنا۔ اور چوتھا قول یہ ہے کہ اس لفظ کا اطلاق محض رات کو اٹھنے پر نہیں ہوتا بلکہ سوکر اٹھنے پر ہوتا ہے۔ حضرت عائشہؓ اور حجاب نے اسی چوتھے قول کو اختیار کیا ہے۔

۱۶ اصل میں لفظ اشتد و طأ استعمال ہوا ہے جس کے معنی میں اتنی وسعت ہے کہ کسی ایک فقرے میں اسے ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ رات کو عبادت کیلئے اٹھنا اور دیر تک کھڑے رہنا چونکہ طبیعت کے خلاف ہے اور نفس اس وقت آرام کا مطالبہ کرتا ہے اسلئے یہ فعل ایک ایسا مجاہدہ ہے جو نفس کو دبانے اور اس پر قابو پانے کی بڑی زبردست تاثیر رکھتا ہے۔ اس طریقے سے جو شخص اپنے آپ قابو پالے اور اپنے جسم و ذہن پر تسلط حاصل کر کے اپنی اس طاقت کو خواہ کی راہ میں استعمال کرنے پر قادر ہو جائے وہ زیادہ مضبوطی کیساتھ دین حق کی دعوت کو دنیا میں غالب کرنے کیلئے کام کر سکتا ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ لفظ اور زبان کے درمیان مواظقت پیدا کرنے کا بڑا نمونہ ذریعہ ہے کیونکہ رات کے ان اوقات میں بننے اور خدا کے درمیان کوئی دوسرا عامل نہیں پرتا اور اس حالت میں آدمی جو کچھ زبان سے کہتا ہے وہ اس کے دل کی آواز ہوتی ہے۔ تیسرا مطلب یہ ہے کہ یہ آدمی کے ظاہر و باطن میں ملاحظت پر اگر نیک بڑا کارگر ذریعہ ہے، کیونکہ رات کی تنہائی میں جو شخص اپنا آرام چھوڑ کر عبادت کیلئے اٹھتا وہ لا محالہ غلام ہی کی بنا پر ایسا کرے گا جس میں یا کاری کا سہرا ہے کوئی نوعیت ہی نہیں ہے، چوتھا مطلب یہ ہے کہ رات کی عبادت کی یہ بہت آدمی پر زیادہ گراں ہوتی ہے اسلئے اس کا التزام کرنے سے آدمی میں بڑی ثابت قدمی پیدا ہوتی ہے یہ خدا کی راہ میں زیادہ مضبوطی کیساتھ چل سکتا ہے اور اس راہ کی مشغولیت کو زیادہ استقامت کیساتھ برداشت کر سکتا ہے۔

۱۷ اصل میں اؤفہ قرینہ ارشاد ہوا ہے جس کے لغوی معنی ہیں "قول کو زیادہ راست اور درست بنانا ہے"۔ لیکن مدعا یہ ہے کہ

ذکر کیا کرو اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو۔ وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے، اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔  
 لہذا اسی کو اپنا وکیل بنا لو۔ اور جو باتیں لوگ بنا رہے ہیں ان پر صبر کرو اور شرافت کے ساتھ ان سے  
 الگ ہو جاؤ۔ ان جھٹلانے والے خوش حال لوگوں سے منٹنے کا کام تم جھڑپ چھوڑ دو اور انھیں ذرا کچھ دیر اسی  
 حالت پر رہنے دو۔ ہمارے پاس (ان کے لئے) بھاری بیڑیاں ہیں اور بھڑکتی ہوئی آگ اور جلتی میں پھنسنے

اُس وقت انسان قرآن کی زیادہ سکون و اطمینان اور توجہ کے ساتھ سمجھ کر پڑھ سکتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا مفہوم یہ بیان  
 کرتے ہیں کہ اجداد ان یفقہ فی القرآن۔ یعنی وہ اس کے لئے زیادہ موزوں ہے کہ آدمی قرآن میں غور و خوض کرے، (ابوداؤد)  
 ۱۰۰ دن کے اوقات کی بھر پور کیفیتوں کا ذکر کر نیکی بعد یہ ارشاد کہ "اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کرو" خود بخود یہ مفہوم ظاہر کر رہا ہے  
 کہ دنیا میں ہر طرح کے کام کرتے ہوئے بھی اپنے رب کی یاد سے کبھی غافل نہ ہو اور کسی نہ کسی شکل میں اس کا ذکر کرتے رہو (تشریح  
 کے لئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد چہارم، الاحزاب، حاشیہ ۶۱۳)

۱۱۰ وکیل اُس شخص کو کہتے ہیں جس پر اعتماد کر کے کوئی شخص اپنا معاملہ اُس کے سپرد کر دے۔ قریب قریب اسی معنی میں ہم  
 آرد و زبان ہیں وکیل کا لفظ اُس شخص کے لئے استعمال کرتے ہیں جس کے حوالہ اپنا مقدمہ کر کے ایک آدمی مطمئن ہو جاتا ہے کہ اس  
 کی طرف سے وہ اچھی طرح مقدمہ لڑے گا اور اسے خود اپنا مقدمہ لڑنے کی حاجت نہ رہے گی۔ پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اس  
 دین کی دعوت پیش کرنے پر تمہارے خلاف مخالفوں کا جو طوفان اٹھ کھڑا ہوا ہے اور جو مشکلات تمہیں پیش آ رہی ہیں ان پر  
 کوئی پریشانی تم کو لاحق نہ ہونی چاہیے۔ تمہارا رب وہ ہے جو مشرق و مغرب، یعنی ساری کائنات کا مالک ہے جس کے سوا  
 خدائی کے اختیارات کسی کے ہاتھ میں نہیں ہیں۔ تم اپنا معاملہ اُس کے حوالے کر دو اور مطمئن ہو جاؤ کہ اب تمہارا مقدمہ لڑے  
 گا، تمہارے مخالفین سے وہ منٹے گا اور تمہارے سارے کام وہ بنائے گا۔

۱۱۱ اللہ ہو جاؤ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان سے مقاطعہ کر کے اپنی تبلیغ بنا کر دو، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے منہ نہ  
 لگو، ان کی بیوقوفیوں کو بالکل نظر انداز کر دو اور ان کی کسی برتری کا جواب نہ دو۔ پھر یہ احتراز بھی کسی غم اور غصے اور جھنجھلاہٹ  
 کے ساتھ نہ ہو، بلکہ اُس طرح کا احتراز ہو جس طرح ایک شہریت آدمی کسی بازاری آدمی کی گالی سن کر اسے نظر انداز کر دیتا ہے اور  
 دل پھیل تک نہیں آنے دیتا۔ اس سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیے کہ رسول اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل کچھ اس سے مختلف تھا اس لئے  
 اللہ تعالیٰ نے حضور کو یہ ہدایت فرمائی۔ اصل میں تو آپ پہلے ہی سے اسی طریقے پر عمل فرما رہے تھے، لیکن قرآن میں یہ ہدایت  
 اس لئے دی گئی کہ کفار کو بتا دیا جائے کہ تم جو حرکتیں کر رہے ہو ان کا جواب نہ دینے کی وجہ کمزوری نہیں ہے بلکہ اللہ نے ایسی  
 باتوں کے جواب میں اپنے رسول کو بھی شریفانہ طریقہ اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے۔

۱۱۲ ان الفاظ میں صاف اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ مکہ میں دراصل جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا  
 رہے تھے اور طرح طرح کے فریب دیکر اور تعصبات اٹھا کر عوام کو آپ کی مخالفت پر آمادہ کر رہے تھے وہ قوم کے کھاتے پیتے، پیٹ  
 بھرے، خوشحال لوگ تھے کیونکہ انہی کے مفاد پر اسلام کی اس دعوت اصلاح کی زد پڑ رہی تھی۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ یہ معاملہ صرف  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کیساتھ خاص نہ تھا بلکہ ہمیشہ ہی اگر وہ اصلاح کی راہ روکنے کیلئے سنگ گراں بن کر کھڑا ہوتا رہا ہے  
 مثال کے طور پر ملاحظہ ہو الاعراف، آیات ۶۰-۶۶-۷۵-۸۸- المؤمنون، ۳۳-۳۴-۳۵- الزخرف، ۲۳-  
 ۱۱۳ ہم میں بھاری بیڑیاں مجرموں کے پاؤں میں اس لئے نہیں ڈالی جائیں گی کہ وہ بھاگ نہ سکیں، بلکہ اس لئے ڈالی

والا کھانا اور دردناک عذاب۔ یہ اُس دن ہوگا جب زمین اور پہاڑ لرز اٹھیں گے اور پہاڑوں کا حال ایسا ہو جائے گا جیسے ریت کے ڈھیر ہیں جو بکھرے جا رہے ہیں۔

تم لوگوں کے پاس ہم نے اسی طرح ایک رسول تم پر گواہ بنا کر بھیجا ہے جس طرح ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا۔ (پھر دیکھ لو کہ جب) فرعون نے اُس رسول کی بات نہ مانی تو ہم نے اس کو بڑی سختی کے ساتھ پکڑ لیا۔ اگر تم ماننے سے انکار کرو گے تو اُس دن کیسے بچ جاؤ گے جب بچوں کو بوڑھا کر دے گا اور جس کی سختی سے آسمان پھٹا جائے گا ۹ اللہ کا وعدہ تو پورا ہو کر ہی رہتا ہے۔ یہ ایک نصیحت ہے، اب جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف جانے کا راستہ اختیار کر لے۔

اے نبی، تمہارا رب جانتا ہے کہ تم کبھی دو تہائی رات کے قریب اور کبھی آدھی رات اور کبھی

جائیں گی کہ وہ اٹھ نہ سکیں۔ یہ فرار سے روکنے کے لئے نہیں بلکہ عذاب کے لئے ہوں گی۔

۱۷ چو کہ اُس وقت پہاڑوں کے اجزاء کو باندھ کر رکھنے والی کشتش ختم ہو جائے گی، اس لئے پہلے تو وہ باریک ٹھہری ریت کے ٹیلے بن جائیں گے، پھر جو لرزہ زمین کو ہلا رہا ہوگا اس کی وجہ سے یہ ریت بکھر جائے گی اور ساری زمین ایک چٹیل میدان بن جائے گی۔ اسی آخری کیفیت کو سورہ طہ، آیات ۱۰۵ تا ۱۰۷ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ "لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ ان پہاڑوں کا کیا بنے گا۔ کہو، میرا رب ان کو ڈھول بنا کر اڑا دے گا اور زمین کو ایسا ہموار چٹیل میدان بنا دے گا کہ اس میں تم کوئی بل اور سڑک نہ دیکھو گے۔"

۱۵ اب کہہ کے اُن کفار کو خطاب کیا جا رہا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتے تھے اور آپ کی مخالفت میں سرگرم تھے

۱۶ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں پر گواہ بنا کر بھیجنے کا مطلب یہ بھی ہے کہ آپ دنیا میں اُن کے سامنے اپنے قول اور عمل سے حق کی شہادت دیں، اور یہ بھی کہ آخرت میں جب اللہ تعالیٰ کی عدالت برپا ہوگی اُس وقت آپ یہ گواہی دیں کہ میں نے ان لوگوں کے سامنے حق پیش کر دیا تھا (مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد اول، البقرہ، حاشیہ ۱۲۲-۱۲۳ النساء، حاشیہ ۶۲۔ جلد دوم، اہل، آیات ۸۲ و ۸۹۔ جلد چہارم، الاحزاب، حاشیہ ۸۲۔ جلد پنجم، الفتح، حاشیہ ۱۱۲)۔

۱۷ یعنی اول تو تمہیں ڈرنا چاہیے کہ اگر ہمارے بھیجے ہوئے رسول کی بات تم نے نہ مانی تو وہ ہر اسخام تمہیں دنیا ہی میں دیکھنا ہوگا جو فرعون اس سے پہلے اسی جرم کے نتیجے میں دیکھ چکا ہے۔ لیکن اگر فرض کرو کہ دنیا میں تم پر کوئی عذاب نہ بھی بھیجا گیا تو روز قیامت کے عذاب سے کیسے بچ سکو گے؟

۱۸ یہ آیت جس کے اندر نماز تہجد کے حکم میں تخفیف کی گئی ہے اس کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ حضرت عائشہؓ سے سند احمد، مسلم اور ابوداؤد میں یہ روایت منقول ہے کہ پہلے حکم کے بعد یہ دوسرا حکم ایک سال کے بعد نازل ہوا اور رات کا قیام فرض سے نفل کر دیا گیا۔ دوسری روایت حضرت عائشہؓ ہی سے ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے نقل کی ہے کہ یہ حکم پہلے حکم کے ۸ مہینے بعد آیا تھا اور ایک تیسری روایت جو ابن ابی حاتم نے انھی سے نقل کی ہے اس میں سورہ مہینے بیان کئے گئے ہیں۔ ابوداؤد، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن عباس سے ایک سال کی مدت نقل کی ہے۔ لیکن حضرت سعید بن جبیر کا بیان ہے کہ اس کا نزول دس سال بعد ہوا ہے (ابن جریر و ابن ابی حاتم)، ہمارے نزدیک یہی قول

ایک تہائی رات عبادت میں کھڑے رہتے ہوئے اور تمہارے ساتھیوں میں سے بھی ایک گروہ یہ عمل کرتا ہے۔ اللہ ہی رات اور دن کے اوقات کا حساب رکھتا ہے، اُسے معلوم ہے کہ تم لوگ اوقات کا ٹھیک شمار نہیں کر سکتے، لہذا اس نے تم پر جہر بانی فرمائی، اب جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو اللہ سے معلوم ہے کہ تم میں کچھ مریض ہوں گے، کچھ دوسرے لوگ اللہ کے فضل کی تلاش میں سفر کرتے ہیں اور کچھ اور لوگ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔ پس جتنا قرآن آسانی پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو۔ نماز

زیادہ صحیح ہے۔ اس نئے پہلے رکوع کا مضمون صحت بنا رہا ہے کہ وہ مکہ معظمہ میں نازل ہوا ہے اور وہاں بھی اُس کا نزول ابتدائی دور میں ہوا ہے جبکہ حضور ص کی نبوت کا آغاز ہونے پر زیادہ سے زیادہ چار سال گزرے ہوں گے۔ بخلاف اس کے یہ دوسرا رکوع اپنے مضامین کی صریح شہادت کے مطابق مدینہ کا نازل شدہ معلوم ہوتا ہے جب کفار سے جنگ کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا اور زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم بھی آچکا تھا۔ اس بنا پر لامحالہ ان دونوں رکوعوں کے زمانہ نزول میں کم از کم دس سال کا فاصلہ ہی ہونا چاہیے۔

۱۹ اگرچہ ابتدائی حکم تو یہی رات یا اس سے کچھ کم و بیش کھڑے رہنے کا تھا، لیکن چونکہ نماز کی حجیت میں وقت کا اندازہ نہ رہتا تھا اور گھڑیاں بھی موجود نہ تھیں کہ اوقات ٹھیک ٹھیک معلوم ہو سکیں، اس لئے کبھی دو تہائی رات تک عبادت میں گزار جاتی تھی اور کبھی بہت حد تک ایک تہائی رہ جاتی تھی۔

۲۰ ابتدائی حکیم میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو خطاب کیا گیا تھا، اور آپ ہی کو قیام لیل کی ہدایت فرمائی گئی تھی لیکن مسلمانوں میں اُس وقت حضور کے اتباع اور نیکیاں کمانے کا جو عجز معمولی جذبہ پایا جاتا تھا اس کی بنا پر اکثر صحابہ کرام بھی اس نماز کا اہتمام کرتے تھے۔

۲۱ چونکہ نماز میں طویل زیادہ تر قرآن کی طویل قرات ہی سے ہوتا ہے اس لئے فرمایا کہ تہجد کی نماز میں جتنا قرآن سہولت پڑھ سکو پڑھ لیا کرو، اس سے نماز کی طوالت میں آپ سے آپ تخفیف ہو جائے گی۔ اس ارشاد کے الفاظ اگرچہ بظاہر حکم کے ہیں، لیکن یہ امر متفق علیہ ہے کہ تہجد فرض نہیں بلکہ نفل ہے۔ حدیث میں بھی صراحت ہے کہ ایک شخص کے پچھنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر دن رات میں پانچ وقت کی نمازیں فرض ہیں۔ اس نے پوچھا کیا اس کے سوا بھی کوئی چیز تجھ پر لازم ہے؟ جواب میں ارشاد ہوا ”نہیں، الا یہ کہ تم اپنی خوشی سے کچھ پڑھو“ (بخاری و مسلم)

اس آیت سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوتی کہ نماز میں جس طرح رکوع و سجود فرض ہیں اسی طرح قرآن مجید کی قرات بھی فرض ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح دوسرے مقامات پر رکوع یا سجود کے الفاظ استعمال کر کے نماز عبادت ہی اس طرح یہاں قرآن قرات کا ذکر کیا ہے اور مراد اس سے نماز میں قرآن پڑھنا ہے۔ اس استناد پر اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ جب نماز تہجد خود نفل ہے تو اس میں قرآن پڑھنا کیسے فرض ہو سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نفل نماز بھی جب آدمی پڑھے تو اس میں نماز کی تمام شرائط پوری کرنا اور ایسے تمام ارکان و فرائض ادا کرنا لازم ہوتا ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ نفل نماز کے لئے کپڑوں کی طہارت، جسم کا پاک ہونا وغیرہ نماز اور ستر چھانا واجب نہیں، اور اس میں قیام و تہجد اور رکوع و سجود بھی نفل ہی ہیں۔

۲۲ جائز اور حلال طریقوں سے رزق مکمل کیلئے سفر کرنے کو قرآن مجید میں جگہ جگہ اللہ کا فضل تلاش کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۲۳ یہاں اللہ تعالیٰ نے پاک رزق کی تلاش اور جہاد فی سبیل اللہ کا ذکر جس طرح ایک ساتھ کیا ہے اور بیماری کی مجبوری

قائم کرو، زکوٰۃ دو اور اللہ کو اچھا قرض دیتے رہو۔<sup>۵۲۵</sup> جو کچھ بھلائی تم انے لئے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے یہاں موجود پاؤ گے، وہی زیادہ بہتر ہے اور اس کا اجر بہت بڑا ہے۔ اللہ سے مغفرت مانگتے رہو۔  
بے شک اللہ بڑا غفور و رحیم ہے۔

کے علاوہ ان دونوں کاموں کو نماز تہجد سے معافی یا اس میں تخفیف کا سبب قرار دیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام میں جائز طریقوں سے روزی کمانے کی کتنی بڑی نصیحت ہے۔ حدیث میں حضرت عبد اللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ما من جالب یجلب لہما مالی بلدا من بلدان المسلمین فی بیعہ لیسخر یومہ الذکات منزلتہ عند اللہ ثم فرأى رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وأخراون یفویون فی الأرض..... جو شخص مسلمانوں کے کسی شہر میں غلہ لے کر آیا اور اُس روز کے بھاؤ پر اسے بیچ دیا اس کو اللہ کا قرب نصیب ہوگا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت پڑھی (ابن مردودویہ) حضرت عمر نے ایک مرتبہ فرمایا ما من حال یا تینی علیہ الموت بعد الجھاد فی سبیل اللہ احب الی من ان یا تینی وانا بن سبعتی جبل التمس من فضل اللہ وقرأ لہذا الذیۃ "جہاد فی سبیل اللہ کے بعد اگر کسی حالت میں جان دینا مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے تو وہ یہ حالت ہے کہ میں اللہ کا فضل تلاش کرتے ہوئے کسی پہاڑی درے سے گزر رہا ہوں اور وہاں مجھ کو موت آجائے پھر انھوں نے یہی آیت پڑھی "یہ تینی فی شعب الایمان" مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس سے مراد بیخ وقتہ فرض نماز اور فرض زکوٰۃ ادا کرنا ہے۔

<sup>۵۲۵</sup> ابن زبیر کہتے ہیں کہ اس سے مراد زکوٰۃ کے علاوہ اپنا مال خدا کی راہ میں صرف کرنا ہے خواہ وہ جہاد فی سبیل اللہ ہو، یا بن گان خدا کی مدد ہو یا رفاہ عام ہو، یا دوسرے بھلائی کے کام۔ اللہ کو قرض دینے اور اچھا قرض دینے کے مطلب کی تشریح ہم اس سے پہلے متعدد مقامات پر کر چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد اول، البقرہ، حاشیہ ۲۶۷۔ المائدہ، حاشیہ ۳۔ جلد پنجم، الحزب، حاشیہ ۱۶۔

<sup>۵۲۶</sup> مطلب یہ ہے کہ تم نے آگے اپنی آخرت کے لئے جو کچھ بھیج دیا وہ تمہارے لئے اُس سے زیادہ نافع ہے جو تم نے دنیا ہی میں روک رکھا اور کسی بھلائی کے کام میں اللہ کی رضا کی خاطر خرچ نہ کیا۔ حدیث میں حضرت عبد اللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ایک ممالہ احب الیہ من مال و اس ثبہ؟ تم میں سے کون ہے جس کو اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ محبوب ہے؟ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جسے اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ محبوب نہ ہو۔ فرمایا اعلو ما تقولون۔ سوچ لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ پہاڑ حال واقعی یہی ہے۔ اس پر حضور نے فرمایا انما مال احدکم ما قدام و مال حارثہ ما اخر۔ تمہارا اپنا مال تو وہ ہے جو تم نے اپنی آخرت کے لئے آگے بھیج دیا اور جو کچھ تم نے روک کر رکھا وہ تو وارث کا مال ہے۔ (بخاری، سنن ابویعلیٰ)

**تجدید الفہم اور اس کی فہم**

اردو زبان کی پہلی بار ایک نیا دور طبع کتاب ہو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے لکھی تھی۔  
 تاریخ اور حالات - غیر مجلد کی قیمت - سات روپے۔  
 اساتذہ جیدہ اقدار جیلانی کے وہ فرمودات  
**توح الفہم** جن کا مطالعہ دل و دماغ کو نور کر دیتے۔  
 حنائی دربار اور روز و معارف عالم فہم زبان میں۔  
 قیمت مجلد - تین روپے ۵۰ پیسے۔

**معارف و معارف** دن میں کیا چیز سہلی ہے اور کیا پوری رہاں  
 اس کا موضوع بہ بڑے دلچسپ انداز میں لکھا  
 گیا ہے۔ قیمت مجلد - پانچ روپے۔

**تذکرہ** تذکرہ کی اصل اس کے علمی و عملی اقسام۔  
 اس کے حصول کی صورت میں اس کی حاجت  
 ہر وقت ہر اس شخص کے لئے رہنا چاہیے جس کا ترقیہ  
 ہے۔ قیمت - سات روپے چھ روپے۔

**تاریخ** جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ یہ کتاب تاریخ  
 کے سب سے آدھی کے سب سے آدمیوں کا مختصر تعارف  
 قرآنی ہے۔ قیمت اور معلومات سے بھر۔  
 قیمت - سات روپے تین روپے۔

**معارف و معارف** جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ اس کتاب  
 میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کے معارف  
 کی معارفی کے ضمنی طور پر بیان فرمائے ہیں۔ ہر  
 باب کا مطالعہ۔ قیمت صرف - ۴۰ پیسے۔

**معارف و معارف** بعض رواج یا فقہی مسائل و مشرکیات  
 کا اجماع و تشریح انبیاء اور علم  
 کے ذریعہ کی تفسیر ہے۔ قیمت - دو روپے۔  
**معارف و معارف** مولانا محمد سلیمان ندوی کے  
 احوال و دیگر اہم مسائل کے  
 بارے میں بہترین تفسیر و تشریح ہے۔ قیمت - پانچ روپے۔

**مجددین**

انہوں نے اپنے دور میں  
 صورت سے تھوڑے سے فرق سے  
 ان میں بہت سی جادوئی اور طرز کی  
 ہے۔ مگر فقط طرز ہی نہیں بلکہ  
 نہیں کرتا اور کبھی نہ کسی اخلاقی  
 منتظف کرانا ہے۔ قیمت حضرت اول -  
 حضرت دوم - چھ روپے ۵۰ پیسے۔

**کیا جماعت اسلامی تھی** دنیا بھر کے علماء و  
 کتاب جو برائی و فحاشی ہر ایک کے لئے مفید اور  
 دلچسپ ہے۔ قیمت - چار روپے۔

**دین و شریعت** آریہ ایدہ شریعت - مجلد - چار روپے  
 انگریزی ایڈیشن مجلد - دو روپے  
**فتاویٰ مجددی** مولانا عبدالرحمن کا مشہور فقہی فتاویٰ  
 ایک جلد میں اصل نظر لانی کے بعد۔  
 قیمت - اٹھارہ روپے۔

**قرآن کیا کہتا ہے؟** مولانا مسعود خان کا  
 کتاب - چھ روپے۔

**آدابِ باریت** مولانا مسعود خان کا  
 کتاب - چھ روپے۔

**قرآن اور حدیث** قرآن اور حدیث کا  
 رسالہ کے لئے ہے؟ انہوں نے  
 جواب مولانا محمد دوی کے نام سے  
 مع و منت کو۔ قیمت - دو روپے۔  
**شہدائے جہاد** مولانا مسعود خان کے  
 قیمت - ۲۰ پیسے۔

## دینی و علمی کتابیں

### معرفتِ الہیہ یعنی خدا کی پہچان

مع اضافات جدیدہ و خاتمہ السواخ - جہنت مولانا اشرف علی کے مشہور خلیفہ شاہ عبدالغنی کے جواہر پارے - ورق ورق عرفان یقین اور نکات نفیسہ سے معمور - قیمت مجلد - چودہ روپے ۸۷ پیسے -

### اسلام اور ترقی

مولانا اشرف علی کے افادیت سے لبریز اشادات قیمت - پچاس پیسے

### تربیت الساک

مولانا اشرف علی کے مشہور کتاب - عمدہ تہذیب کے ساتھ - دو جلدوں میں مکمل - قیمت مجلد مکمل - ۲۷ روپے

### البدائع

مولانا اشرف علی کے قلم سے گونا گوں مسائل کی تشریح - سو سے زیادہ نو اور بدائع - قیمت مجلد - دس روپے -

### نفاق

علامہ ابن قیم کے ایک قیمتی رسالے کا اردو ترجمہ آیات قرآنی کی روشنی میں یہ وضاحت کہ نفاق کسے کہتے ہیں اور اس کے کیا خواص ہیں - بہت ہی مفید رسالہ ہے - قیمت - ۷۵ پیسے -

مکتبہ تجلی دیوبند (دیوبند)

## چند لٹریچر کی کتابیں

### اردو تنقید کا ارتقار

ڈاکٹر عبادت بیوی کی معرکہ الآراء تصنیف - بابائے اردو مولانا جلال الحق کے مقدمے سے مزین - مجلد دس روپے

### فن افسانہ نگاری

ترمیم و اضافہ شدہ ایڈیشن - وقار عظیم کی یہ کتاب فن افسانہ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے خاصے کی چیز سمجھی گئی ہے - قیمت مجلد - سات روپے -

### تعلیمی نفسیات

تصنیف - سرائف گیوی -

ترجمہ - سراج کھاسرا - تجربات اور فکر کی روشنی میں تعلیم کی نفسیات اور ضروری پہلوؤں پر مفید گفتگو - قیمت مجلد - ڈیڑھ روپے

### جدید تعلیمی نفسیات

از - ڈاکٹر عبدالروف - تعلیم کے موضوع پر بہت ہی اچھی اور فائدہ مند تصنیف - ہر صاحبِ ولاد کے مطالعہ کی چیز - قیمت مجلد - آٹھ روپے -

### سر سید اور ان کے نامور فقار

ڈاکٹر سید عبداللہ کے قلم سے - موضوع نام سے ظاہر ہے معلومات کا بیش قیمت ذخیرہ - قیمت مجلد - دس روپے -

### تاریخ اسلام کے حیات انگیز لمحات

قاہرہ کے ایک فاضل پیر طبر عبد اللہ عثمان کی تالیف نئے اسلوب میں تاریخ اسلام کے بعض وقائع پر علم و تحقیق کی روشنی - قیمت مجلد - ساڑھے سات روپے -

## تفہیم الحدیث و

حضرت معاذ بن ابی وہب روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: -  
 مَنْ يَرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا اللَّهُ تَعَالَى جَسَعَهُ سَاعَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ  
 كَرَّمَ لِي فِي الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ  
 وَأَنَا فَاسْتَعِمْ وَاللَّهُ يُعْطِي رِجَالِي وَمُسْلِمٌ جَوَالَهُ  
 تَقْسِيمٌ كَرَّمَ لِي فِي الدُّنْيَا وَجَسَعَهُ سَاعَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ  
 بِهِيَ كَرَّمَ لِي فِي الدُّنْيَا وَجَسَعَهُ سَاعَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ

یہاں علم اور معلومات کا ذکر نہیں ہے دین کی سمجھ بوجھ کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے کہ علم، مطالعہ، معلومات کی کثرت اور اصول و فروع کی واقفیت الگ بات ہے اور سمجھ بوجھ تفہیم تدبر اور بصیرت و تفقہ الگ۔ "فقہ" کا لفظ اسی تفقہ سے نکلا ہے یعنی وہ چیز جو نہ تدبر اور سمجھ بوجھ کا حاصل ہو۔ اس انعامِ الہی سے مشرف ہونے والے بندے کو فقیہ کہتے ہیں اور اسی کی جمع ہے فقہاء۔

حدیث سے معلوم ہوا کہ فقہائیت ایک اعلیٰ درجے کی قابلِ فخر شے ہے جس میں فقہائیت پائی جاتے سمجھتے کہ اللہ نے اس کے حق میں بھلائی کا ارادہ فرمایا۔ بھلائی کے ارادے کا مطلب یہ ہے کہ اسے دین دنیا میں سرخروئی نصیب ہوگی۔ دنیا میں اگر نظر اہر کوئی بڑا مرتبہ اور مقام عیش اسے حاصل نہ ہو تب بھی آخرت کے اعتبار سے وہ صاحبِ نصیب ہے۔ دنیا کے عیش و الم اگرچہ آخرت کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں کہنے لیکن ایک اچھی طرح سمجھ لینے کی ہے کہ اللہ کے جو نیک بندے اللہ سے لڑ لگائے ہوئے ہوتے ہیں اور دنیا

طلبی کے عوض ان کے دل و دماغ میں آخرت اور رضائے الہی کی طلب بسی ہوئی ہوتی ہے وہ اگر دنیا کے آلام و آفات میں گرفتار بھی ہوں تو ان کے قلب و روح ان آلام و آفات سے کچھ زیادہ اثر پذیر نہیں ہوتے۔ کوئی بہت بڑا دنیاوی نقصان ہم دنیا داروں کے قلب و روح پر جتنا برا اور گہرا اثر ڈالتا ہے اس کا عشرہ عشر بھی ان پر نہیں پڑتا اور باطنی سکون و طمانیت کی وہ دولت انھیں نصیب دیتی ہے جو مسرت کی داخلی بنیاد ہے۔ اس طرح دنیا کے نقصانات و مصائب میں گھر کر بھی وہ نہ اتنی برضا اور مطمئن اور شاکر ہوتے رہتے ہیں۔

تفسیر اور فقہائیت اور تفقہ فی الدین کی قدر و قیمت اس حدیث نے پوری طرح واضح کر دی۔ ایک اور حدیث حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے۔ حضور نے صحابہ سے ارشاد فرمایا:-

إِنَّ النَّاسَ لَكُمْ مَبْعُورَاتٌ  
 سِرَّ جَالِدًا تَأْتُوهُمُ كَمَا تَأْتِي  
 الْفُطُورَ مِنَ الْأَسْرَمِ يَفْقَهُونَ  
 فِي الدُّنْيَا نِيَّ إِذَا أَلْوَمْتُمْ  
 فَاسْتَوْعَبُوا بِهَذَا حَسْبُكُمْ  
 در ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ کتاب العلم

لوگ تمھاری پیروی کرتے ہیں۔  
 کتنے ہی لوگ تمھارے پاس نزدیک  
 و دور سے اس لئے آئیں گے کہ تم سے  
 دین کی سمجھ طلب کریں۔ تو جو  
 آئیں تو انہیں ہدایت کرتا ہوں  
 کہ ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اکثر صحابہ فقیہ تھے۔

اگر فقیہ نہ ہوتے تو وہ مسروں کی رہنمائی کیا کرتے۔ علاوہ ازیں فقہائیت کی قدر و وقعت واضح ہوئی۔ اچھے ساواگ کی نصیحت کی ہی اس لئے گئی ہے کہ تفقہ فی الدین کی طلب و

جس جو حضور کے نزدیک مبارک شے تھی۔

مشکوٰۃ میں اسی مقام پر جب اللہ ابن سعود سے ایک روایت نقل کی گئی ہے جس کا ایک ٹکڑا ہے۔

قُوْبٌ حَامِلٌ فَفَقِيْهُ عِيْرٌ  
فَقِيْهُ وَرَبُّ حَامِلٌ فَفَقِيْهُ  
اِلٰى مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ  
پس بہت وہ لوگ جو فقہ کے حامل ہوتے ہیں بجائے خود فقیہ نہیں ہوتے بلکہ ان میں زیادہ وہ لوگ فقیہ ہوتے ہیں جن کو حکمت حضرت ائمہ پہنچانے ہیں

نشار یہ ہے کہ حدیث ہو یا اس سے اخذ کردہ فروعی مسائل ان کا محض جان لینا ہی یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ محض واقعی فقیہ ہو گیا۔ فقہائیت کا تعلق تو خداداد صلاحیتوں سے۔ بار بار ایسا ہوتا ہے کہ جس شخص نے حضور سے حدیث نقل کی اس میں یہ صلاحیت نہ ہوئی کہ اس حدیث کے تمام مضمرات و لوازمات اور معانی و معارف کو سمجھ سکے اور جن لوگوں نے اس سے یہ حدیث سنی ان میں سے بعض اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنا پر اس حدیث کے تمام جلی و خفی گوشوں کو سمجھنے اور ان سے گونا گوں مسائل اخذ کرنے میں سبقت لے گئے۔

بہر حال اس حدیث سے بھی فقہ فی الدین کی تعریف نکریم نکلتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سورہ توبہ میں ارشاد فرماتا ہے۔  
فَلَا تَقْفُوْا حَيْثُ جَاءَتْ سُوْرَةٌ مِّنْ كَلَامِ فَرَقِيْهِمْ اِنْ كَانِ  
مِنْكُمْ طَائِفَةٌ لَّا يَتَفَقَّهُوْا  
فِي الدِّيْنِ (آیت ۱۲۹) (ترجمہ شرح الہند)

یہ مسلمانوں ہی کا ذکر ہے اور اللہ نے انہیں انسانی حیا و بلاغت کے ساتھ ترغیب دی ہے کہ مسلمانوں میں کچھ نہ کچھ لوگ ایسے ضرور ہونے چاہئیں جو فقہ فی الدین کو خود پر نہانگی بنائیں۔ سب کے لئے یہ ترغیب اس لئے نہیں کہ عقل رسا اور طبع سلیم کی دولت سب کے پاس کہاں۔ ہم و فرامرت اور اخلاص رکھنے والے تو گئے چھنے ہی ہوتے ہیں۔ وہی اس کے اہل ہیں کہ محض تلاوت آیات اور حفظ روایات پر نہ مرکب جائیں بلکہ تفقہ کریں۔ تحقیق و تفتیش کے لئے ہر گرم ہوں۔

دین و شریعت کی حکمتوں کو حتی الوسع سمجھیں۔

اللہ تعالیٰ سورہ بقرہ میں فرماتا ہے۔

يُوْعَى الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ (اللہ) عنایت کرتا ہے کس کو  
وَمَنْ يُؤْتِ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (اللہ) بڑی خوبی ملی (ترجمہ شرح الہند)  
لفظ "حکمت" کی تشریح میں جو چاہے کہہ لیجئے حاصل ہوئی

نکلے گا جو فقہ فی الدین کے زیریں نتائج کا عنوان ہے یعنی فقہ یہ بھی آپ جانتے ہی ہیں کہ کتنا بی باس عالمی علم کسی چیز ہے۔ جو عقلی محنت کا ہے اتنا ہی بخور لے مگر "حکمت" خاص عطائے الہی ہے۔ جس کا سمجھ اللہ نے دی ہے اس سے زیادہ وہ دنیا بھر کی دولت اور تمام ممکن محنت صرف کر کے بھی حاصل نہیں کر سکتا سمجھ تو خدا کی دین ہے۔ وہی ہے۔ کمائی نہیں جاسکتی۔ اسی لئے قطعاً ضروری نہیں کہ جو شخص قرآن کا حافظ ہو، ہزاروں احادیث اسے زبانی یاد ہوں اور تفاسیر و شرح بھی اس نے بہت دکھی ہوں وہ اس شخص سے زیادہ فقیہ ہو جو نہ تو حافظ قرآن ہے نہ حافظ حدیث نہ اتنا زیادہ مطالعہ اس نے کیا ہے۔ بار بار ایسا ہوتا ہے کہ یہ دوسرا شخص اللہ کی عطا کردہ سمجھ بوجھ کی بنا پر پہلے سے بڑھ کر فقیہ اور حامل حکمت ہوتا ہے۔ چنانچہ امام مالک کا مقلوب ہے۔

ليس العالم بكتوْر  
الروايات ولكنة نوسا  
يضعه الله في قلب ابن  
آدم (طبقات۔ شاہ ولی اللہ دہلوی عقبہ تاسع)

اصطلاح عام میں عقل کا تعلق کاسر سے ہے لیکن قرآن و حدیث کی زبان میں عقل سلیم اور بصیرت و فقہ کا مصدر و جہد قلب ہے۔ ہر ایک فطری فرق ہے مطلب بہر حال یہ کہ سمجھ بوجھ اور استعداد بڑی نہ بر دست خداداد نعمت ہے جو بہت زیادہ روایات کے حفظ اور معلومات کی بہتات پر منحصر نہیں ہے۔

اسی لئے سیدار مغز اسلام نے مسائل شرعیہ میں لائق اعتماد زیادہ تر ایسے ہی لوگوں کو مانا جو تفسیر میں ممتاز تھے۔ نہ کہ ان لوگوں کو جو حفظ روایات اور عبادت و ریاضت اور کثرت معلومات میں ممتاز تھے۔

ارشاد نسرا با تھا۔ وغیر ذلک۔ بہر حال علم کی اہمیت تو بہت زیادہ ہے ہی لیکن اس سے بھی بڑھ کر تفسیر اور تدریس اور تفکر کا درجہ جس کی روشنی میں بندہ اپنے اللہ کے دین کی حکمتیں اور مصلحتیں اور مضمرات و مشتملات کے غامض پہلوؤں تک پہنچتا ہے۔

## نہایت تحقیق اُردو شرح مسند ابوبکر صدیقؓ

حدیث کا دوسرا کٹر ارا اندھا اناقا سہم الخ) سجد اہم ہے اور ذہن نشین کر لینے کے قابل۔ پہلے آقا کا نشانہ یہ بتانا ہے کہ جو کچھ علوم شریعت اور ان کی حکمتیں اور اسرار و معارف میرے ذریعہ تم لوگوں کو پہنچ رہے ہیں ان میں میرا ذائقہ کوئی کمال نہیں۔ یہ سزا نہ تو اللہ جل شانہ کا ہے جسے بس تقسیم کرنے رہنا میرا فریضہ ہے۔ وحی چاہے وہ انطوق جملی ہو (قرآن) یا غیر انطوق وحی ہو (اعادیت صحیحہ) صرف اللہ کی دین ہے اور میری سمجھ بوجھ بصیرت، علم و عرفان اور ساری ہی صلاحیتیں باری تعالیٰ کا انعام و عطا ہیں۔ بالذات مجھے نہ کوئی قدرت ہے نہ اختیار۔

حدیث کی مشہور کتاب مسند احمد بن حنبل کی عظمت و رفعت محتاج تعارف نہیں۔ اس میں امام موصوف نے ہر ہر صحابی کی روایات الگ الگ جمع کی ہیں۔ ابتداء ظاہر ہے ابوبکر صدیقؓ سے ہوگی۔ یعنی جو کلام مبارک حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا وہ سب کا سب بجا خوشی کی بات ہے کہ ایک مستند اور دقیقہ رس علم نے مسند احمد بن حنبلؓ کی اُردو شرح کا مفید سلسلہ شروع کیا ہے۔ اور اسی سلسلے کی پہلی کڑی "نہایت تحقیق" کے نام سے آپ کے سامنے ہے۔ یہ بڑے سائز کے ۲۵۷ صفحات پر مشتمل ہے اور قیمت صرف — پندرہ روپے۔ بڑی اہم بات یہ ہے کہ ناضل شارح نے شروع کتاب میں ایک طویل مقدمہ دیا ہے جو تقریباً سو صفحات پر مشتمل ہے اس میں انھوں نے اُردو خراں طبقے کیلئے فن حدیث کی باریکیوں اور اہمیت اور اہمیتوں کو پوری تحقیق کیساتھ سپرد قلم فرمایا ہے۔ پانچ کتابوں کا مجموعہ فن حدیث کی معلومات کا بیش بہا خزانہ۔ امید ہے کہ شائقین اس تحفہ نادرہ سے فائدہ اٹھائیں گے۔ قیمت — پندرہ روپے۔ جلد سترہ روپے۔

علاوہ ان میں حدیث کا یہ بھی مطلب ہے کہ میں تو تم لوگوں کے سامنے اللہ کے عطا فرمودہ علم کی روشنی میں احکام دین بیان کرتا رہتا ہوں لیکن تم میں سے کون کس درجے میں اچھے سمجھتا اور ان پر عمل کرتا ہے یہ میرے اختیار کی چیز نہیں یہ تو اللہ ہی کے قبضے میں ہے کہ کسی کو سمجھ یا توفیق کم دے اور کسی کو زیادہ۔

اسی حقیقت ثابتہ کے پیش نظر اونچے درجے کے اہل علم نے صحابہؓ میں بھی دو طبقے تجویز کئے ہیں۔ ایک فقہار صحابہؓ کا۔ ایک غیر فقہ صحابہؓ کا۔ دونوں طرح کے صحابہ نقل روایت کے معاملے میں تو عدول ہیں یعنی سچے اور قابل اعتماد۔ پیشہ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی بات وہ غلط طور پر حضورؐ کی طرف منسوب کر سکتے ہیں لیکن یہ بالکل ممکن ہے اور ایسا ذرا بھی ہوا ہے کہ حدیث نقل کرنے والے صحابی نے حضورؐ کا صحیح منشاء نہیں سمجھا۔ یا اس سیاق و سباق سے ناواقف رہے جس میں حضورؐ نے کوئی بات فرمائی تھی۔ یا حضورؐ کے کسی لفظ کا عام مطلب لے لیا حالانکہ آپؐ نے خاص مفہوم میں

مکتبہ تجلی۔ دیوبند (یو۔ پی)

## جناب فظ امام الدین ام نگری کی وقیح تصنیفات

## دیگر مصنفین

۱۲/۷۵	مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی، اردو جلد اول
۱۵/۷۵	مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی، جلد دوم
۵/-	مکتوبات تصوف
۲/۶۰	تحفۃ المتعلمین
۱/-	بیٹے سے خطاب
۵/-	مولانا عبیدہ اللہ سندھی اور ان کے ناقد
۱/-	سوانح حضرت موسیٰ
۱/-	سوانح حضرت عیسیٰ
۱/-	سوانح حضرت داتا گنج لاہوری
۱/-	سوانح شیر شاہ سوری
۳/-	گنجینۃ السبزار (عملیات علامہ انور شاہ شہیری)
۸/-	تاریخ دیوبند (اضافہ شدہ)
۷/-	شاہانِ دہلی یا اسلافِ دیوبند (ملقبہ اراخِ شاہ)
۳/-	مسلم یونیورسٹی، مینارۃ نوریہ یا ظلمت کدہ
۳/-	سوانح محمد علی جناح
۹/-	النحو الواضح ابنتانی مکمل
۱۲/-	النحو الواضح ثانوی مکمل
۲۰/-	جوہرِ نیرۃ قدوری کی عربی تہج
۱۵/-	البلاغۃ الواضحہ عربی
۱۲۵/-	نسخہ عجیب
۱۵۰/-	ایک اہم دی دعوت (مولانا ابوالحسن علی ندوی)
۲/-	مسلمانوں کی پریشانیوں کا بہترین علاج
۱۲۰/-	جو اہل الایمان
۱/۵۰	میری نماز
۱/۳۵	آسان نماز
۸/-	تاریخ مشائخ چشت مجلد
۵/-	منتخب تقریریں مجلد (مولانا منظور نعمانی)

۲/-	ابوبکر صدیق (سوانح اور حالات)
۱/-	انجمنات سورۃ لیسٹ شریف
۱/۷۵	آواگن کا تحقیقی جائزہ
۵	انوار اسلام بحوالہ مصابیح الاسلام مکمل
۱/-	آریہ سماجی عقیدہ نجات کا تحقیقی جائزہ
۱۵۰/-	اردو مہندی ماسٹر
۶۲/-	ابو ایوب انصاری (میزبان رسول)
۶۵/-	بے مثال زندگی
۱۵۰/-	جزیریہ کی حقیقت
۷۵/-	حضرت خدیجۃ الکبریٰ
۱۸۸/-	حضرت عثمان ذی النورین
۱۹۵/-	خاصانِ خدا کی نماز
۵/-	دلائل القدر آن مکمل و جلد
۲/-	دفتری ہندی مراسلات و کاغذات
۱/-	رسالت محمدی کے عقلی دلائل
۷۵/-	سفرائے اسلام
۱/-	عظمتِ روم علمبرداران اسلام کے قدم پیر
۱۸۰/-	عقیدہ آخرت کے عقلی دلائل
۱۶۰/-	عقیدہ توحید اور انسانیت
۳/-	غیر مسلم علماء اور محاسن اسلام مجلد
۵/۵۰	قبول اسلام کی کہانی
۱۶۰/-	معلم نماز اردو
۱۶۵/-	معلم نماز ہندی
۱/-	مسلمان شوہر و بیوی
۲/۲۵	معیاری اسلامی حکومت
۱/-	نماز کے فضائل

عامر عثمانی

## حقائق

عشق کے مراحل میں وہ بھی وقت آتا ہے  
 آزمائشیں اسے دل سخت ہی سہی لیکن  
 ہو اگر نہ تاریکی روشنی کو پوچھے کون  
 ہے تضاد کے دم سے بزم دہر کی رونق  
 دوسروں پہ کیا الزام یہ تو دل ہی کا اثر ہے  
 عمر جتنی بڑھتی ہے اور گھٹتی جاتی ہے  
 آبلوں کا شکوہ کیا ٹھوکروں کا غم کیسا  
 کارزار ہستی میں عز و جاہ کی دولت  
 آفتیں برستی ہیں دل سکون پاتا ہے  
 یہ نصیب کیا کم ہے کوئی آزما تا ہے  
 قدر و قیمت انصاف ظلم ہی بڑھاتا ہے  
 اشک پی کے شبنم کے پھول مسکرتا ہے  
 خود شکار ہوتا ہے خود فریب کھاتا ہے  
 سانس جو بھی آتا ہے لاش بن کے جاتا ہے  
 آدمی محبت میں خود کو بھول جاتا ہے  
 بھیک میں نہیں ملتی آدمی کماتا ہے

اپنی قبر میں تنہا آج تک گیا ہے کون  
 دفترِ عمل عامر ساتھ ساتھ جاتا ہے

**اردو دی اور تصوف**

اردو دی اور تصوف کہا جاتا ہے کہ مولانا اس میں ہیں۔ اس الزام کی پوست کندہ حقیقت مولانا کی اپنی تحریروں کے آئینے میں سلا حطر ہے۔ یہ کتاب آپ کو بتائے گی کہ مولانا کس تصوف میں اور کس کے حامی ہیں۔ نجلد۔ ڈھائی روپے۔

**تصوف**

مولانا انصروف علی کی مشہور کتاب جس کا ترجمہ مفتی شفیع صاحب نے تصوف سے متعلق تمام گوشوں پر محققانہ گفتگو کی تعلیمات، آداب وغیرہ اصلی اور جاہلانہ تصوف کی قیمت نجلد۔ تین روپے ۵ پیسے۔

**سج الفری**

تاریخ اسلامی کی ایک مشہور اور مستند کتاب جس کا ترجمہ اردو فارسی، سج زبانوں میں بھی ہو چکا ہے۔ آپ کی خدمت اردو ترجمہ حاضر ہے۔ قیمت نجلد۔ بارہ روپے۔

**سج حجاز**

امیر شریعت مولانا منشاہد سلووات افزا سفر نامہ۔ قیمت ڈھائی روپے۔ خلافت راشدہ کے خصائص

**خلافت راشدین**

دخقائق اور چاروں خلفائے نبی کے تفصیلی حالات مصنفہ مولانا عبدالحی۔ قیمت تین روپے۔

**سج کسے کریں**

مولانا منظور نعمانی کی معروف کتاب مولانا انصروف علی کی مقبول عام اور مفید ترین کتاب پرانے اور نئے اضافوں کیساتھ۔ نجلد۔ چھ روپے۔

**دینی دعوت کے قرآنی اصول**

مولانا قاری محمد طیب صاحب کی فکر انگیز کتاب جو دینی دعوت کے بنیادی اصولوں سے بحث کرتی ہے۔ قیمت تین روپے۔

**فضائل مسجد**

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ اس کتاب میں مسجد کے فضائل، مہنجر روایات کی روشنی میں بتائے گئے ہیں۔ قیمت۔ سو روپے۔

**التشکوف**

اعادیت تصوف کی معرفت پر مولانا انصروف علی کی معروف کتاب۔ چودہ روپے۔

**تبلیغی و تبلیغی سرگرمیاں**

تبلیغی و تبلیغی سرگرمیاں عہد سلف میں جن میں بتایا گیا ہے اپنے شاندار ماضی میں دین کی تبلیغ و ترویج کیلئے ہر ممکن کوشش کی۔ مسجدیں، راستے، مکانات، بازار، انہیں بھی ہوں سلمان مبلغ بنے رہے۔ دنیا کے کاروبار نے انھیں دین سے فاصل نہیں کیا۔ اسراف، قاضی، اچھ مبارک پوری۔ ڈیڑھ روپے۔

**مکتوبات**

مکتوبات خواجہ معصوم سہروردی انصاف اور نیکات و لطائف سے لبریز خطوط اردو زبان میں مطالعہ کی بہترین چیز۔ قیمت پانچ روپے۔

**مناجات مقبول**

عکسی مولانا انصروف علی کی مقبول عام اور مفید ترین کتاب پرانے اور نئے اضافوں کیساتھ۔ نجلد۔ چھ روپے۔

**آپ حج کیسے کریں**

مولانا منظور نعمانی کی معروف کتاب مولانا انصروف علی کی مقبول عام اور مفید ترین کتاب پرانے اور نئے اضافوں کیساتھ۔ نجلد۔ چھ روپے۔

**امت مسلمہ کی رہنمائی**

مولانا تقی امینی کی ایک ذرہ تصنیف حضرت عمرؓ کی تعلیمات میں انفرادی و اجتماعی زندگی کے مختلف شعبوں میں حضرت عمرؓ کے اصلاحی فرمودات و اقدامات۔

**دور رس حکمتوں سے لبریز۔**

قیمت۔ دو روپے۔

مکتبہ تحلی۔ ویوینڈر۔ پی۔

- عطاءے بزرگان
- مُردوں کے سسٹے کی بحث
- شاہنمائے کے دو شعروں پر اعتراض
- دودھ کی شکریت • غیر مسلموں کے تہوار اور تقاریب
- مدعی صست اور گواہ چمت
- وغیر ذلک

## تجلی کی ڈاک

### عطاءے بزرگان

سوال پب۔ از۔ ارشاد احمد۔ کلکتہ۔

پہلی مرتبہ آپ کو خط لکھ رہا ہوں اور وہ بھی چلے ہوئے دل کے ساتھ، اس لئے کوئی لفظ نامناسب نکل جائے تو معاف کیجئے گا۔

آپ کے بریلویوں کی کتاب "زلزلہ" پر تبصرہ کر کے سارے علمائے دیوبند کا سر نیچا کر دیا۔ آپ کو شاید معلوم نہیں ہے کہ ان بد سختوں نے آپ کا تبصرہ کتابی شکل میں شائع کر کے لاکھوں لاکھ افراد کے ہاتھوں میں پہنچا دیا ہے۔ آپ ایک ذمہ دار خاندان کے چشم و چراغ تھے، اپنے بزرگوں پر حملہ کرتے ہوئے کم از کم آپ کو اپنی حیثیت کا لحاظ کرنا چاہئے تھا

ہم نے اپنے علاقے کے چھوٹے بڑے متعدد علمائے دیوبند کو آپ کا تبصرہ دکھلایا تو ان میں سے کسی نے آپ کے متعلق بتایا کہ آپ زندہ شرب آدمی ہیں۔ آپ کا کوئی

مذہب نہیں ہے۔ کسی نے کہا کہ وہ آوارہ ہے سینما دیکھتا ہے کسی نے کہا کہ علمائے دیوبند نے اسے نکال دیا ہے۔ اب وہ مودودی پارٹی کا ایجنٹ ہے وہاں سے اس کو اسی بات کے لئے روپیہ ملتا ہے کہ وہ عوام کو بزرگان دیوبند سے بھیر کر مودودی صاحب کا ہمنوا بنا دے۔ کسی نے کہا کہ دیوبندی مکتبہ خیال کے خلاف شوہر ش پھیلانے کیلئے رضا خانوں نے اسے بہت بڑی رقم دی ہے۔

میں سخت حیران ہوں کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کرو اور کسے کیا کہوں۔ خدار ارجح حقیقت سے مجھے مطلع کیجئے۔ اپنے تبصرے کے مضرت رساں اثرات کو زائل کرنے کے لئے اب آپ ہی کوئی صورت نکالئے۔

### جواب پب۔

آپ مسلمان ہیں۔ قرآن پر تو یقیناً ایمان رکھتے ہوں گے قرآن ہی کی ایک سورۃ التیساع میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ  
اے ایمان والو! تم پر

کو پہنچتا ہے اور ہم ایک ذمہ دار خاندان کے چشم و چراغ ہیں؟  
کیا ہم کتمان حق کر جاتے؟ کیا ہم اس لئے انصاف نہ کرتے  
کہ اس کا فائدہ اتفاق سے ایک بریلوی خیال کے معترض  
کی جھولی میں پڑ رہا ہے۔

باری تعالیٰ تو فرماتے ہیں:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا  
كَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ وَلَا  
يُخْرِجَنَّكُمْ عَنْ دِينِكُمْ  
عَلَىٰ أَنْ لَا تَعْدِلُوا  
إِذَا كُنْتُمْ أَقْرَبَ  
لِلْعَقُوبَىٰ وَاللَّهُ يَتَّقِي  
اللَّهُ خَيْرٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ  
(مائدہ - آیت ۸)

اے ایمان والو! کھڑے ہو جاؤ  
مکر و اللہ کے واسطے گواہی دینے  
کو انصاف کی۔ اور کسی قوم کی دشمنی  
کے باعث انصاف کو ہرگز نہ  
چھوڑو عدل کرو۔ یہی بات  
زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے۔  
اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ اللہ  
کو خوب خبر ہے جو تم کرتے ہو۔

(ترجمہ شیخ الہند)

تو اے ہمارے محترم بھائی - اللہ آگے دل کو ٹھنڈا کر  
عطا فرمائے۔ ہم تو فلاں اور فلاں کی ناراضگی کی پروا کئے  
بغیر اور نفع نقصان کا میزانہہ دیکھے بد دن وہی کہیں گے جو  
سچ اور حق سمجھیں گے۔ یہ تو عین ممکن ہے کہ اپنے علم و فہم کی  
کیسے باعث ہم کسی غلط بات کو صحیح اور صحیح کو غلط باور  
کر بیٹھیں۔ ایسی صورت میں ٹوکے اور تنبیہ کرنے کا مقبول  
طرفیہ یہ ہے کہ ہمارے قصور و فہم کو دلائل کے ذریعہ منسوخ  
کر دیا جائے نہ یہ کہ نسل و نسب اور حلقہ و گروہ کی دہائی دی  
جائے۔ آپ ممکن ہے اس خیال میں ہوں کہ دیوبندی بزرگ  
عام عثمانی سے خفا ہو گئے تو اسے سیدھا جہنم میں پہنچا دینے  
لیکن ہم ایسا بالکل نہیں سمجھتے۔ ہمارا معاملہ اپنے رب کے  
ساتھ ہر اوہ راست ہے اور ہم شیعہ مختلر میں اپنے آقا خاتم  
الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھتے ہیں۔ باقی ساری دنیا  
خفا ہو جائے تو رانی کے دانے برابر بھی بردہ نہیں۔

جو ہر مبارک آپ کے بیان کے مطابق چھوٹے بڑے  
علماء دیوبند نے ہمارے لئے پاس کئے ہیں ان کے لئے ہم

انصاف بر گواہی دو  
اللہ کی طرف کی اگرچہ  
نقصان ہر تھاوار یا مان پ  
کا یا اثرات دلوں کا۔۔۔

قِيَامِينَ بِالْقِسْطِ مِمَّا آتَا  
اللَّهُ وَكَوْنُوا عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَدِ  
الْعَالِيَيْنَ وَالْأَدْنَىٰ قَرِيبِينَ  
(آیت ۱۳۵)

اور سورہ حج میں حکم دیتا ہے:-

وَأَحْتَسِبُ الْقَوْلَ السَّيِّئَ  
مُحَقَّقًا لِلَّهِ غَيْرَ مَشْرُوبِينَ  
(آیت ۵۳)

یعنی گواہی سچی اور اللہ کے حکم کے موافق دینی چاہیے  
اگرچہ اس میں تمھارا یا تمھارے کسی عزیز قریب کا  
نقصان ہوتا ہو۔ جو حق ہو اس کو صاف ظاہر  
کر دینا چاہیے ذہنی نفع کے لئے آخرت کا نقصان  
نہ ہو۔" (تفسیر عثمانی ص ۱۶۷)

اب آپ ٹھنڈے دل سے صورت حال پر غور فرمائیں  
ہمارے پاس تبصرے کے لئے کتابیں آتی ہیں۔ تبصرے کا  
مطلب ہے ایمان داری کے ساتھ اچھے برے پہلو ظاہر کر دینا  
کتاب کا مطالعہ کرنے ہوئے جو خوبی اور خرابی ہم محسوس  
کریں اسے لے کم و کاست بیان کر دینا ہی ہمارا فرض ہے۔  
یہی انصاف کا تقاضا بھی ہے اور یہی سچی گواہی بھی۔ اسی  
کا نام اظہار حق ہے۔ آپ نے قرآن کی زبان سے سن لیا سچی  
گواہی دینے اور غلط گوئی سے بچنے کی کسی تاکیہ آئی ہے۔  
حق پوشی کے بارے میں فرمایا گیا:-

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ  
شَهَادَاتَهُ (فقہ آیت ۱۲۰)

اب بتائیے۔ "زلزلہ" نامی تبصرہ طلب کتاب پڑھتے  
ہوئے اگر ہم نے دریافت داری کے ساتھ محسوس کیا کہ  
اختراصات و زون دار ہیں تو کیا ہمیں اس لئے حق گوئی سے  
اجتناب کرنا چاہیے تھا کہ حق گوئی کا نقصان علمائے دیوبند

اب آپ ٹھنڈے دل سے صورت حال پر غور فرمائیں  
ہمارے پاس تبصرے کے لئے کتابیں آتی ہیں۔ تبصرے کا  
مطلب ہے ایمان داری کے ساتھ اچھے برے پہلو ظاہر کر دینا  
کتاب کا مطالعہ کرنے ہوئے جو خوبی اور خرابی ہم محسوس  
کریں اسے لے کم و کاست بیان کر دینا ہی ہمارا فرض ہے۔  
یہی انصاف کا تقاضا بھی ہے اور یہی سچی گواہی بھی۔ اسی  
کا نام اظہار حق ہے۔ آپ نے قرآن کی زبان سے سن لیا سچی  
گواہی دینے اور غلط گوئی سے بچنے کی کسی تاکیہ آئی ہے۔  
حق پوشی کے بارے میں فرمایا گیا:-

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ  
شَهَادَاتَهُ (فقہ آیت ۱۲۰)

اب بتائیے۔ "زلزلہ" نامی تبصرہ طلب کتاب پڑھتے  
ہوئے اگر ہم نے دریافت داری کے ساتھ محسوس کیا کہ  
اختراصات و زون دار ہیں تو کیا ہمیں اس لئے حق گوئی سے  
اجتناب کرنا چاہیے تھا کہ حق گوئی کا نقصان علمائے دیوبند



بتوحید اللہ -

تخصیر یہ کہ یہ ایک مستقل مسئلہ ہے کہ مُردے قبروں میں  
سُنتے ہیں کہ نہیں۔ ان آیتوں میں اس کی بحث ہرگز نہیں۔  
یہاں تو صرف ارشاد ربانی یہ ہے کہ اے رسول! اہل ایمان  
آپ کی نصیحتوں کو اپنے کان سے بھی سُنتے ہیں اور دل سے بھی۔  
لیکن کفار کان سے تو ضرور سنتے ہیں مگر ایمان نہیں لاتے۔ اگر  
فتر ان کا مقصود و مارغا یہ نہیں تو پھر "سماع انہما و قبول"  
کا کیا مطلب ۹۹  
براہ کرم تجلی کے حوالے سے تفصیلی جواب مرحمت فرما کہ  
ممنون کریں۔

### جواب :-

آپ نے تفسیر جلالین کے حوالوں سے سوال کو لمبا کرنے کی رحمت  
نہ گوارا کی ہوتی تب بھی کوئی مضائقہ نہ تھا۔ یہ تو خود آیت  
زیر بحث کا سیاق و سباق ہی بتا رہا ہے کہ وہ کافروں سے  
متعلق ہے۔ کافروں ہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے  
کہ اے رسول! جو لوگ تیری دعوت حق پر ایمان لائے وہ  
دیتے وہ تو فکرو بصیرت کے اعتبار سے اندھے ہیں اور ان  
کے مقابلہ میں اہل ایمان کی چشم بصیرت روشن ہے۔ اندھے  
اور بینا برابر نہیں ہو سکتے۔ اندھے اور اجالے میں کیسانی  
کہاں۔ چھاؤں کی ٹھنڈک اور لو کی گرمی کو ایک جیسا کون  
کہہ سکتا ہے۔ مُردوں اور زندوں میں برابری کا دعویٰ ممکن  
ہی نہیں۔

یہ ہے آیت متصلہ کا ترجمہ۔ ظاہر ہے کہ ایک سیدھی  
کیا سمجھی مفسرین یہی کہیں گے کہ یہاں بینائی، چھاؤں اور  
زندگی سے مراد ایمان و ہدایت ہے اور اندھے بن، سوخت  
گرمی اور موت سے مراد کفر ہے۔ پھر اللہ نے فرمایا کہ :-

"اللہ سنا ہے جس کو چاہے اور تو نہیں سناے والا قبر  
میں پڑے ہوؤں کو" (ترجمہ شیخ الہند)

ہم نے اس کے بجائے ترجمہ کیا تھا۔ "جو قبروں میں چلے۔"  
حکیم الامت حضرت تھانوی کا ترجمہ ہے۔ "جو قبروں

کیا نتائج کی روشنی میں آپ اور علامہ سیدوطی تفسیر  
پر کھڑے نظر نہیں آتے ہیں؟ اب خدا جانے یہاں کس کا  
تقریب ہے۔ آپ ہی بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آپ کے پیش  
کردہ ترجمہ و تفسیر کو صاحب و دردمت مان لیا جائے یا  
علامہ سیدوطی کے خامہ زرد نگار سے نکلے ہوئے ترجمے کو  
قرآن کی اصل مراد پر محمول کیا جائے۔ تفسیر تفسیر ان میں  
جلالین کی جو عظمت و اہمیت ہے محتاج وضاحت نہیں  
شاید یہ اپنی نوعیت کی واحد اور منفرد تفسیر ہے جس میں  
عقلی مویشکا فیروں اور منطق و فلسفہ کی لا طایل بحثوں سے  
احتراز کرتے ہوئے نہایت اختصار کے ساتھ قرآن پاک  
کے اصل مراد و مفہوم کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

بہر کیف جہاں تک میں سمجھ پایا ہوں آیت مذکورہ  
بالا میں قبروں میں مُردے کے سننے یا نہ سننے کی بحث ہرگز  
نہیں جیسا کہ آپ نے تاثر قائم کرنے کی کوشش کی ہے بلکہ اصل  
مراد یہ ہے کہ اے رسول! آپ ان کافروں کو جو جیتے جا کر  
کی طرح اندھے بہرے اور گونگے ہیں آپ کی کوئی نصیحت  
نافع نہیں ہو سکتی، بلکہ نصیحت ان کے حق میں مفید اور کارگر  
ہوگی جو سن کر اثر قبول کر سکیں۔ یعنی جس طرح ایک مُردے کو  
خطاب کرنا یا کسی بہرے کو پکارنا خصوصاً جب کہ وہ پیٹھ  
پھیرے چلا جا رہا ہو ان کے حق میں سود مند نہیں۔ یہی حال  
کفار و مشرکین کا ہے۔

چنانچہ میرے اس خیال کی تصدیق و تائید سورہ النمل  
پارہ ۸۱ (۲۰ واں پارہ) کی آیت ۲۹،  
۸۱:۸۱ سے بھی ہوتی ہے۔ جلالین کے حوالے سے ملاحظہ ہو۔  
فَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى إِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِينِ  
إِى الدِّينِ الْبَيْنِ فَاَلْعَاقِبَةُ ذٰلِكَ بِالنَّصْرِ عَلَى الْكَافِرِ  
ثُمَّ ضَرِبَ لَهُمْ مَثَلًا بِالمَوْتِى وَاللَّحْمِى وَاللَّعْمِى فَقَالَ  
إِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتِى وَلَا تَسْمَعُ الضَّعْمِى الدَّعَاءُ إِذَا  
..... وَلَا تَدْرِيْنَ وَمَا أَنْتَ بِطَلِىِّ الْعَمِى عَن  
ضَلَّلْتَهُمْ أَنْ يَسْمَعُوْا سَمَاعِ اَفْعَامِ وَقِيْلَ اَلَا مَنْ  
يُّؤْمِنُ بِالْيَتِّى الْقُرْآنِ فَعَمَّ مُسْلِمُوْنَ مَخْلَصُوْنَ

میں ہیں۔“

شاہ عبدالقادر کا ترجمہ ہے :-

”اور نہیں ہے تو اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو سنا سکے بات اس شخص کو جو گور میں مُردہ پڑا ہے۔“

کیا لفظی فرق کے سوا ان تراجم میں مصداق و مفہوم کا کوئی فرق ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو ہمارے ترجمے کو آپ کا ہدف اعتراض بنانا آخر کس تصور کی سزا ہے۔ آپ ایک لیکچرار ہیں آپ کے لئے تو یہ سمجھنا بالکل آسان ہونا چاہیے تھا کہ آیت کا کفار سے متعلق ہونا طے شدہ امر ہے اور عاجز بننے جو سمجھ کہا ہے اس سے اس امر مسلم کی نفی نہیں نکلتی۔ یہ میں بھی جانتا ہوں اور ہر طالب علم جانتا ہے کہ اس آیت میں موت و حیات کی فلاسفی قرآن کا موضوع کلام نہیں لیکن یہ بھی سب کی نظروں کے سامنے ہے کہ ایمان سے گمبیراں کافروں کو اللہ تعالیٰ قبر رسیدہ مُردوں سے تشبیہ دے رہا ہے۔ تشبیہ کا حائل اور رعا یہ ہو کر تا ہے کہ تشبیہ اور تشبیہ بہ میں وہ وصف مشترک ہو جو وجہ تشبیہ بنایا گیا ہے۔ مثلاً ایک حکایت پڑھتے ہوئے آپ کے مطالعہ میں یہ فقرہ آتا ہے :-

”زید مُردوں کی طرح بے حس و حرکت پڑا تھا۔“

تو ظاہر ہے کہ یہاں موضوع کلام موت و حیات کا فلسفہ نہیں ہے بلکہ صورت و واقعہ کو زیادہ واضح کرنے کیلئے ایک تشبیہ دی گئی ہے۔ وجہ تشبیہ مُردوں کا یہ و عیب خاص ہے کہ وہ حرکت و جنبش نہیں کر سکتے۔ تو کیا فقرے کا تعلق زید کے ساتھ ہونے کی بنا پر آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ مُردوں کا بے حس و حرکت ہونا اور نہ ہونا ایک الگ مسئلہ ہے اور اس فقرے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مُردے جنبش و حرکت نہیں کر سکتے۔

اللہ نے وجہ تشبیہ خود بیان فرمادی۔ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ مِّنْ يَّمْتَنَاعُ وَمَا اَنْتَ بِمَسْمُوعٍ مِّنْ فِي الْقُبُورِ اَيْ عَنِ اِيْمَانِ نَه لَانِ وَا لے کفار کو قبر رسیدہ مُردوں سے تشبیہ یوں دی گئی کہ مُردے بھی سننے کی صلاحیت سے اجلس تک

محروم ہیں کہ سب سے بڑا رسول بھی انھیں اپنی آواز سنائے پر قادر نہیں اور کس کفار بھی قبول ہدایت کی صلاحیت سے اس حد تک محروم ہیں کہ ان کو مومن بنانا رسول ص کی استطاعت سے باہر ہے۔ کفار کا سننے سے محروم ہونا یہ معنی تو رکھ ہی نہیں سکتا کہ ان کے کان نہیں ہیں۔ کان تو ہیں اور ہر طرح کی آوازیں بلا تشبیہ وہ سننے میں مگر صدقے حق کا جواز نہیں چاہیے وہ نہیں لیتے۔ اسی کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے سورہ اعراف کی ۱۶۹ دین آیت میں بیان فرمایا ہے وَكَلِمَةً اِذَا نُنَّ لَا يَسْمَعُوْنَ بِمَا دَاوْرَانِ كَالْكَانِ يَمِيْنِ مگر ان سے سننے نہیں)

اب چونکہ ایک موٹی عقل والے کو یہ تشبیہ ہو سکتا تھا کہ کان تو کافروں کے بھی سماعت کی صلاحیت سے محروم نہیں تھے۔ وہ حضور ص کی آوازیں سننے تھے اور سوال و جواب کرتے تھے۔ بہرے ہرگز نہیں تھے۔ تو اللہ نے قبر رسیدہ مُردوں سے تشبیہ دے کر سمجھایا کہ ان کا بظاہر سننا نہ سننے ہی کے حکم میں ہے اور انھیں مُردوں جیسا سمجھو جو سننے کی صلاحیت سے قطعاً محروم ہیں۔ مُردوں کا سننے کی صلاحیت سے مکمل طور پر محروم ہونا اس تشبیہ نے بلا غبار واضح کر دیا۔

”زید نے شیر کی طرح حملہ کیا۔“

کیا اس تشبیہ سے یہ ثابت نہیں کہ شیر بہادر ہوتا ہے۔

”طلحہ کا جسم برف کی طرح سرد ہو گیا۔“

کیا اس تشبیہ سے یہ ثابت نہیں کہ برف ٹھنڈا ہوتا ہے۔

اسی طرح جب سننے کی صلاحیت سے محرومی کیلئے اللہ تعالیٰ نے قبر رسیدہ مُردوں کو تشبیہ بہ بنانا اور الفاظ میں بھی واضح کر دیا کہ وجہ تشبیہ عدم سماعت ہے تو کیا شک رہا اس بات میں کہ مُردے نہیں سن سکتے الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی وقتی مصلحت کے تحت اپنی قدرت خاص سے انھیں سنوادے۔ یہ ایک استثنائی حالت ہوگی۔ استثناء کے لئے ثبوت چاہیے۔ عام کلمہ یہی رہے گا کہ مُردے سننے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں اسی آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں :-

قبول کو مردوں کے محروم سماعت ہونے سے تشبیہ دی۔  
 بہ ابلغ اور قطعی اسلوب سے سننے کی صلاحیت سے محروم کی  
 محرومی کا۔ آج کی طرح دور رسالت کا بھی پتہ بچہ جانتا  
 کہ مردے نہیں سنتے۔ وہ تو مٹی کا بے جان ڈھیر ہیں۔ ان  
 میں احساس و ادراک کہاں۔ اس میں سر موٹک اور  
 اختلاف کی گنجائش نہیں تھی کہ مردے محروم سماعت ہیں۔  
 ادب گذارش ہے کہ قرآن کو سمجھنا ہو تو فہم و  
 دراست کو ذرا اہذب اور چاق و چوبند بنائیے۔ قرأت  
 ادراک کو اس سطح پر لائیے جو قرآن ہی کے شایان شان  
 ہے۔ زبان و بیان کے مبادیات تک سے غفلت برتنا  
 اور منطوق کلام تک کو نظر انداز کر جانا تقاضا کرتا ہے کہ  
 تفسیری مباحث کے میدان میں کودنے سے آپ فی الحال  
 پرہیز کریں۔

اور یہ بھی سمجھ لیجئے۔ یہاں جلالین کے اور میرے  
 درمیان مطلق اختلاف نہیں لیکن یہ پھر بھی مت سمجھئے کہ  
 تفسیر جلالین کوئی حجت ہے۔ سیوطی بھی میری ہی طرح  
 ایک غیر محصوم انسان تھے۔ ان سے بھی اپنی تالیفات میں  
 بے شمار غلطیاں ہوئی ہیں اور محققین نے ان میں سے  
 اکثر کی نشاندہی بھی کی ہے لہذا جلالین کے بارے میں  
 یہ خیال قائم کر لینا کہ وہ واحد اور منفرد تفسیر ہے جس میں  
 قرآن کے اصل مراد و مفہوم کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی  
 ہے مبالغہ آمیز ہے۔ نیز یہاں آپ نے جانے کس رد میں  
 اہم راہز می اور ابن جریر اور ابن کثیر اور بے شمار دیگر  
 مفسرین کی توہین بھی کر دی جنہوں نے اپنی صحیح تفسیروں  
 میں آیات کے تمام پہلوؤں پر منطوق، حدیث، علم کلام،  
 علم فقہ، علم بلاغت اور علم نفسیات کے زاویوں سے  
 داد و حقیقت دی ہے۔ آپ کے الفاظ میں یہ لاطائل سمجھیں“  
 ہیں۔

کیا یہی ہے وہ خراج تحسین جو ہمیں اپنے رفیع الشان  
 اسلاف کو پیش کرنا چاہیے۔ کیا یہی ہے ان کاوشوں کی  
 قدر دانی جس نے اسلامی لٹریچر کا دامن نعل و جواہر

اللہ نے فرمایا اسے رسول! قبروں والوں کو  
 سنانے کی قدرت نہیں رکھتا یعنی جس طرح ان مردوں  
 کو پکارنا افعال ہے جو قبروں میں پہنچ چکے وہی طرح  
 بدعت قسم کے کافروں کے لئے تیری دعوت نے نتیجہ  
 رہے گی۔ ان کی ہدایت کی اب کوئی شکل باقی نہیں  
 رہی الا یہ کہ خدا اپنے خاص فضل سے کسی کو ہدایت  
 دے دے تو تو محض آگاہ کرتا رہ۔ تیرے ذمے  
 بس تبلیغ ہے۔ ہدایت اور مگر ابھی اللہ کے ہاتھ میں

کیا خاک کشیدہ فقرے کا مفہوم اس سے شتمہ برابر بھی  
 مختلف ہے جسے ہم نے مٹی کے معترض فیہ جواب میں پیش کیا  
 تھا اور آپ کو اس پر اعتراض پیدا ہوا؟  
 آپ یا تو ”قطبین“ کے صحیح معنی نہیں لینا چاہتے اور  
 لفظ ”تفرّد“ کے مصداق میں تجاہل عارفانہ برت رہے  
 ہیں۔ یا پھر غلط اور صحیح میں امتیاز آپ کو پسند نہیں۔  
 علامہ سیوطی نے یاد دیگر معروف مفسرین نے مذکورہ آیت  
 کے ذیل میں جو کچھ کہا ہے اس میں اور ہماری معترض فیہ عبارت  
 کے مضمون میں قطبین کا فاصلہ تو کیا ہوتا گاگز دو گز کا بھی  
 فاصلہ نہیں۔ آپ ہی نے سیوطی کے الفاظ نقل کیے۔  
 شبہ صغیر بالمتونی فلا یجیبون کیا تشبیہ کا لازمی  
 مطلب یہ نہیں کہ مردے سماعت سے محروم ہیں۔ اگر ان  
 کے لئے سماعت کا امکان فرض کر لیا جائے تو تشبیہ کا جواز  
 ہی کیا رہ جاتا ہے۔

آپ غالباً یہ تو جانتے ہی ہوں گے کہ اہل زبان کے  
 یہاں کسی وصف کے اثبات میں تشبیہ کا طریقہ سب سے  
 زیادہ اقوی اور قطعی مانا گیا ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ زید  
 کا لباس عطر کی طرح ہبک رہا تھا تو اس سے نہایت قطعیت  
 کے ساتھ ثابت ہوتا ہے کہ عطر میں خوشبو کا ہونا اور اسے  
 کا تحمل نہیں۔ وہ مسلمات میں سے ہے۔ تشبیہ دینے ہی  
 ہیں ایسے وصف معروف کی بنا پر جو سب کے نزدیک مسلم ہو۔  
 معروف ہو۔ ناقابل انکار ہو۔ اللہ نے کفار کے عدم

شاعری میں پختگی کے یقین کے باوجود میرا دل مطمئن نہ ہوا اور یہ خط لکھنا پڑا امید کہ آپ مطمئن فرمائیں گے اور ممنون فرمائیں گے۔ دونوں اشعار درج ذیل ہیں:-

(۱) وہ سن رکھیں کہ ذات رب اکبر غیر فانی ہے

وہ زندہ ہے وہ زندہ ہی رہے گی جاودانی ہے

(۲) بر صدارت احساس مجبوری بھدا آشفقہ سامانی

وفات مصطفیٰ مانی نہ جاتی تھی مگر مانی

اب میں اپنی کھٹک آپ پر ظاہر کرنا ہوں وہ یہ ہے کہ پہلے شعر کے دوسرے مصرع میں "جاودانی" آپ نے بطور صفت استعمال کیا ہے حالانکہ یہ اسم کیفیت ہے۔ اور یہ دوسرے شعر میں "سامانی" اور "مانی" میں ایطاء ہے اور ایطاء.....

امید ہے کہ آپ میری کھٹک کو دور کریں گے۔

### جواب:-

آپ کا پہلا اعتراض سطحی اعتبار سے درست ہے۔ لیکن گہرائی میں جائیں تو اس کی کمزوری واضح ہو جائیگی۔ بلاغت کا اصول ہے کہ اگر کسی صفت پر زیادہ زور دینا ہو تو صفت کی جگہ اسم صفت استعمال کر لیتے ہیں۔ جیسے شاہد عادل کی جگہ شاہد عادل۔

اللہ کے جو ننانوے اسمائے حسنیٰ ہیں ان میں ایک نام العدل بھی ہے۔ عدل اسی طرح اسم صفت ہے جیسے جاودانی قاعدہ عام کے مطابق عدل درست ہونا مگر دیکھ لیجئے بطور مبالغہ اور بطور تشدید اسم صفت ہی کو صفت بنا دیا گیا۔ انشاء کا اسلوب ہے۔ "حائم تیرا دوسرا نام سخاوت ہے!"

یا۔ "درا تیرا دوسرا نام بے وفائی ہے!"

یا۔ "ہٹلر اور سفائی ایک ہی چیز کے دو نام ہیں!"

اس طرح کے فقروں میں اسم صفت کو صفت بنا دیا گیا جس سے صفت اور موصوف میں تلازم اور نفس صفت میں افراط و کثرت کا اظہار ہو گیا۔ اس پر اعتراض درست نہ ہوگا۔

سے بھر دیا۔ نعل و جواہر کے ڈھیر میں کچھ کس کچھ بھی ہوں تو ان سے نعل و جواہر کی قیمت کم نہیں ہو جاتی۔ ضخیم تفاسیر سلف میں یقیناً رطب اور پابس دونوں ہیں۔ لیکن خدائی کتاب کے علاوہ دنیا میں کوئی کتاب ہے جو امکان خطا سے بالاتر ہو لہذا تفاسیر سلف کو لا طائل بختوں کا دفتر قرار دینا ایک بڑی جسارت ہے جو آپ جیسے اچھے مسلمانوں کو زریب نہیں دیتی۔ اگر یہ ضخیم تفاسیر نہ ہوتیں تو جلالین جیسی مختصر تفاسیر سے قرآن کو پوری طرح سمجھنا ممکن ہی نہ ہوتا۔ سیوطی نے اختصار کی راہ اس لئے اختیار نہیں کی تھی کہ طول کی ضرورت نہیں تھی بلکہ اس لئے اختیار کی تھی کہ مطول تفاسیر پہلے سے موجود تھیں لہذا انکی مختصر کو ان مطول کے ذریعہ سمجھنا ممکن تھا۔

خلاصہ جواب یہ ہے کہ اعتراض سے قبل ہمیشہ یہ دیکھ لیا کیجئے کہ جس موضوع سے آپ کا اعتراض متعلق ہے اس پر آپ نے کس حد تک عمور حال کیا ہے۔

اور ہاں یہ ہمیں معلوم ہے کہ سلف میں سماع موتی کا مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے۔ لیکن جو طبقہ سماع موتی کا قائل ہے وہ بھی اس آیت کی حد تک اس کے علاوہ کچھ نہیں کہہ سکتا جو غیر قائلین کہتے ہیں۔ وہ دوسرے مقامات سے دلائل لاتا ہے۔ یہاں ان سے بحث نہیں۔ میں بہر حال دوسرے دلائل پر بھی بحث سے بھاگتا نہیں بشرطیکہ کوئی صاحب انھیں علمی انداز میں پیش کریں۔ یہ انداز علمی ہرگز نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی پسندیدہ مفسر کا نام اس انداز میں پیش کر دے کہ جیسے وہی ایک زبدۃ المفسرین ہے اور باقی سارے مفسر تھک مارتے رہے ہیں۔

### شاہناہ کے دو شعروں پر اعتراض

سوال ہے۔ سید امیر الحسن احساس۔ بمبئی ۱۹۷۷ء۔

ماہ رواں یعنی جون ۱۹۷۷ء کے تجلی میں "شاہناہ" اسلام کی نظموں کو پڑھتے وقت دو شعرا سے نظر آئے جنکی صحت پر مجھے کچھ تاامل ہوا۔ آپ کی قادر الکلامی اور فن

جائزہ سمجھا جاتا ہے۔ جیسے غلو کا عیب۔ فارسی کا مشہور شعر ہے  
 صلاح کار کجا و من خراب کجا  
 میں تفاوت رہ از کجا است تا کجا  
 خراب میں حرف با ساکن ہے اور اسے تمام قوافی میں  
 ساکن ہی رہنا چاہیے۔ جواب۔ کتاب۔ حساب یہ ہیں صحیح  
 قافیہ۔ تاب بھی صحیح ہے جب کہ یہ سکت یا جھک دمک کے  
 معنی میں ہو کیونکہ اس صورت میں با ساکن ہوگی۔ مگر یہاں  
 دوسرے مصرعہ میں تا الگ لفظ ہے اور ب الگ حرف جو  
 متحرک ہے۔ اسی کو اصطلاحاً غلو کہتے ہیں۔

مومن کی غزل کا مطلع ہے۔  
 میں اگر آپ سے جاؤں تو قرار آجائے  
 پر یہ ڈرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو بار آجائے  
 قرار اور بار میں حرف آ ساکن ہے۔ قوافی ہوں گے  
 مزار۔ فگار۔ شعار۔ بہار وغیرہ۔ مگر مومن اسی غزل کا  
 مقطع فرماتے ہیں:-

حسن انجام کا تو میں مگر بے ہے خیال  
 یعنی کہتا ہے وہ کافر کہ تو مارا اچھے  
 یہاں مار کی تہا پر فتح آگیا اور قافیہ کی مٹی پلید  
 ہو گئی۔ پھر مومن جید استاد اس "غلو" کو استعمال کر رہا ہے  
 تو اعتراض آسان نہیں۔ بات دین و شریعت کی ہو تو کسی  
 کی بھی استادی کو بہ دلائل حجاج کیا جا سکتا ہے لیکن یہ بان  
 اور قوافی شعری کا معاملہ ہے جس کا تعلق وحی سے نہیں لہذا  
 مومن کے خلاف ہم کیا دلیل لاسکتے گے جب کہ فن شعری  
 میں وہ خود سندن ہیں۔

اس تھوڑی سی تطویل کا نشانہ یہ ہے کہ اعتراض  
 میں جلدی نہ کیجئے۔ ہمارے معترض فیہ شعریں تو ابطاء  
 کا عیب ہے ہی نہیں لیکن کہیں کوئی عیب بھی مل جائے تو  
 یہ ضرور تفحص کر لیجئے کہ کہیں وہ اس درجے کا عیب تو نہیں  
 جسے اہل زبان ضرور دے جو اردے لیتے ہیں۔

ویسے یہ خوش فہمی ہمیں ہرگز نہیں کہ:-  
 "مستند ہے میرا فرمایا ہوا۔"

دوسرا اعتراض بھی تحقیق و تدبر پر مبنی نہیں۔ مجھے  
 معلوم نہیں آپنے ابطاء (شائیرگان) کی پوری بحث کسی مستند  
 کتاب میں پڑھی ہے یا نہیں۔ اگر پڑھی ہے تو حیرت ہے  
 کہ اعتراض کیسے کر دیا اور نہیں پڑھی ہے تو مناسبت ہے کہ  
 اب پڑھ لیں۔

ابطاء کی بہت سی نوعیتیں ہیں۔ بنیادی طور پر  
 ابطاء کہتے ہیں اس عیب کو کہ حرف روی جس لفظ کا  
 جزو اصلی ہو وہ لفظ مطلع کے دونوں مصرعوں میں ایک ہی  
 صورت اور ایک ہی معنی میں استعمال کر لیا جائے۔  
 جیسے گلستاں اور بوستاں۔ ان میں حرف روی الف ہے  
 اور یہ جزو ہے "ستاں" کا۔ کسی مطلع کے ایک مصرعہ میں  
 گلستاں اور دوسرے میں بوستاں قافیہ ہو تو یہ ابطاء  
 ہے کیونکہ ستاں دونوں جگہ قطعاً ایک معنی اور ایک شکل  
 میں استعمال ہو اور اس سے قبل کے الفاظ گل اور بو  
 ہم قافیہ نہیں ہیں۔

اس کے باوجود شعراء کے ایسے شعر لکھتے ہیں جو  
 بین جنس گلستاں اور بوستاں سے مطلع بنا گیا ہے۔

بہر حال ابطاء کے لئے صورتی مماثلت کے ساتھ  
 معنوی مماثلت بھی ضروری ہے۔ اگر صرف لفظی کما نیت  
 ہو اور معنی مختلف ہوں تو اسے ابطاء نہیں کہیں گے۔

ہمارے معترض فیہ شعر میں حرف روی الف ہے جو  
 جزو ہے "مائی" کا۔ دوسرے مصرعہ میں "مائی" ماننا سے  
 واحد کا صیغہ ہے جس کا مفہوم ہے تسلیم کرنا۔ اس کے برخلاف  
 پہلے مصرعہ میں "مائی" مستقل بالذات لفظ ہے ہی نہیں بلکہ وہ  
 جزو ہے "سامائی" کا۔ سامان آسم ہے اور یا کے ذریعہ اسے  
 صفت بنا لیا گیا ہے جیسے بد دل سے بد دلی اور کم تر سے  
 کم تری۔ لفظ سامان سے اگر مان کو الگ کر لیا جائے تو وہ  
 چمک رہ جاتا ہے کوئی بھی معنی نہیں دیتا لہذا دونوں مصرعوں میں  
 لفظ "مائی" بہ اعتبار معنی مراد اور محال نہیں ہوا۔ پھر ابطاء کیا۔  
 علاوہ اس کے یہ بھی خیال رہنا چاہئے کہ بعض عیوب  
 باوجود مسلم ہونے کے اہل زبان میں بار بار جاتے ہیں اور انھیں

## دودھ کی شریعت

سوال :- از

عائشہ کی ماں سارہ نے زید کو دودھ پلایا جب کہ زید لگ بھگ ایک برس کا تھا۔ سارہ کو نہ اس کے خاوند نے نہ زید کے باپ یا ماں یا کسی اور نے دودھ دینے کو کہا تھا اور نہ مجبوری تھی کہ زید کو دودھ پلایا جائے اور نہ کسی نے دیکھا خیر زمانہ گزرتا گیا اور بہار سے بڑوں کو کوئی خبر نہ تھی۔ اسی طرح عائشہ نے زید کی ماں کا دودھ پیا اور حالات وہی تھے جن کا ذکر ہو چکا یعنی کسی کی اجازت نہ تھی اور نہ ہی پوچھا گیا تھا۔ پھر یہ جوان ہو گئے اور شادی کا قصہ حل ہوا لیکن جب معلوم ہوا کہ عائشہ نے زید کی ماں کا دودھ پیا تو رشتہ ختم۔ پھر ہمارے یہاں ایک پیر صبا آئے تو انھوں نے حالات سن کر بتایا کہ زید کا نکاح عائشہ کی بڑی بہن فاطمہ سے ہو سکتا ہے۔ سارہ مذکورہ نے دودھ مذکورہ کا قصہ بتایا تو پیر صبا تب کہا کہ زید نے عائشہ کے زمانہ رضاعت میں دودھ پیا ہے اس سے اب سارہ کی بڑی لڑکی فاطمہ کے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے تو پھر سارہ مذکورہ نے بڑوں کو نہ بتایا اور پھر شادی ہو گئی۔

اب چار سال ہوئے ہیں ایک بچہ ہو کر مر گیا ہے۔ دوسرا گود میں ہے اور زید نے رشتے کے متعلق شک کا اظہار کیا ہے۔ اب آپ سے عرض ہے کہ مندرجہ بالا واقعے کے تحت ذیل کی باتوں کا جواب مرحمت فرمایا جائے۔

۱۔ کیا یہ رشتہ منقطع ہے؟ ۲۔ کیا پلایا پوچھے بلا کہے اور بغیر کسی اجازت اور بغیر کسی ضرورت کے اور بغیر کسی شہادت کے دودھ دینے پاپنہ سے رشتہ حرام ہو جاتا ہے؟

جواب :-

پیر صاحب نے خلاف شرع مشورہ دیا۔ زید جب رہے گا دودھ پنی چکا ہے تو سارہ کے تمام بیٹے بیٹیاں اس کے

دودھ شریک بھائی بہن ہو گئے۔ بارہا ہم واضح کر چکے ہیں کہ دودھ پلانے سے فقط وہی بچہ یا بچی رضاعی بھائی یا بہن نہیں بنتا جس کے زمانہ رضاعت میں دودھ پلایا گیا ہے بلکہ دودھ پلانے والی عورت کی اگلی چھلی تمام اولاد سے اس بچے کا رشتہ رضاعت قائم ہو جاتا ہے جسے دودھ پلایا گیا ہے عقل پر ذرا ماسزور ڈالاجئے تو ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ کب کن افراد کے خون میں ایک ہی عورت کا دودھ شامل ہو گیا ہے۔

مثلاً۔ عارفہ کے بطن سے ایک بچی منجھ پید ہوئی اور اسی کو دودھ پلانے کے زمانے میں اس نے کسی اور کے بچے زید کو اپنا دودھ پلایا۔ یہ دودھ ٹھوڑا سا پلایا یا زیادہ۔ کسی کے کہنے سننے پر پلایا یا بس اپنی مرضی سے۔ سب کے سامنے پلایا یا چھپکے سے۔ ان باتوں کا کوئی اثر اصل مسئلہ پر نہیں پڑتا۔ کیونکہ دیکھا صرف یہ جائے گا کہ دودھ بچے کے حلق سے اتر گیا یا نہیں۔ اگر اتر گیا تو اب کھلی بات ہے کہ عارفہ کے جتنے بچے ہیں خواہ وہ پہلے یا بعد جب بھی پیدا ہوئے ہوں ان سب کے ابو میں عارفہ کا دودھ شامل ہے لہذا زید ان سب کا دودھ شریک بھائی ہوگا۔ ہاں زید کے دوسرے بھائی بہن عارفہ کی اولاد سے یہ رشتہ نہیں رکھیں گے کیونکہ ان میں سے کسی نے عارفہ کا دودھ نہیں پیا لہذا عارفہ کی کسی بھی بیٹی کا نکاح زید سے تو قطعاً حرام ہوا مگر زید کے بھائی طلحہ یا فاروق سے سراسر جائز ہوگا اور اسی طرح عارفہ کے لڑکوں کا نکاح زید کی تمام بہنوں سے درست ہوگا۔

شہادت کا معاملہ اللہ تعالیٰ سے طلب ہے۔ شہادت کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں کسی واقعے کے پیش آنے میں اختلاف اور شک ہو۔ مثلاً عائشہ کے کہہ میری ماں سارہ نے زید کو دودھ پلایا ہے اور سارہ کہے کہ یہ غلط ہے میں نے نہیں پلایا۔ تو یہ صورت شک کی ہے۔ اسی طرح بہت سی شکلیں شک کی پائی جاسکتی ہیں۔ ان سب میں شریعت نے شہادت اور بیعت کے قواعد مقرر فرمادیئے ہیں آپ نے اپنے سوال میں شک والی کوئی بات نہیں لکھی

نہ ہوگی اور عدت کی بھی ضرورت نہ پڑے گی)  
اس کے برخلاف فتاویٰ عالمگیری سے فتویٰ ملتا  
ہے کہ نسب ثابت ہوگا۔

رجل مسلم تزوج بھارم  
نجنن باولاد یتبث نسب  
الاولاد منہ عند الحی  
حنیفة تخلو فالھما بناءً  
علی ان النکاح فاسداً  
عند ابی حنیفة باطل عند  
ھما۔ کذا فی الطھیریہ  
نیز  
ولو طلقھا تلوثاً شمر  
تزوجھا قبل ان تنکح  
نر و جافیدہ فجماعت غنہ  
بولد اولاد یعلم ان بفساد  
النکاح فالنسب ثابت  
وان کانایعلم ان بفساد  
النکاح یتبث النسب ایضاً  
عند ابی حنیفة۔

ایک مسلمان مرد نے ان عورتوں میں  
سے کسی سے نکاح کیا جو شرعاً  
اس پر حرام ہیں اور ان کے اولاد  
ہوئی تو یہ اولاد ثابت النسب ہوگی  
ابو حنیفہ کے نزدیک برخلاف صحابین  
کے۔ وہ کہتے ہیں کہ ثابت النسب نہ  
ہوگی۔ وجہ یہ کہ ابو حنیفہ کے  
نزدیک تو ایسا نکاح فاسد و باطل  
نہیں اور صحابین کے نزدیک باطل  
ہے (یعنی کالعدم) ایسا ہی ظہیر  
میں تحریر ہے۔

نیز  
اور اگر مرد نے بیوی کو تین طلاقیں  
دیں پھر اس سے پہلے کہ مطلقہ کسی اور  
سے نکاح کر کے طلاق پائے اس  
مرد نے اس سے نکاح کر لیا جس کے  
بچے میں اولاد پیدا ہوئی تو وہ  
شکلیں ہیں یا تو یہ کہ یہ میاں بیوی اس نکاح کے فاسد  
ہونے کا علم رکھتے ہوں یا یہ کہ علم ہی نہ رکھتے ہوں۔  
اگر دوسری شکل ہے تو سر کے نزدیک نسبت ثابت ہوگا  
اور پہلی شکل ہے تو صحابین کے نزدیک ثابت نہ ہوگا  
مگر ابو حنیفہ کے نزدیک اب بھی ثابت ہوگا۔

ہم ان دو مختلف فیصاوں میں کسی کو ترجیح دینا نہیں چاہتے  
اہل معاملہ کو چاہیے کہ دارالافتاء دارالعلوم، ایسی اور مستند  
دارالافتاء سے فتویٰ منگائیں۔ البتہ حدیثی تو فیہراً ضروری ہے۔  
میاں بیوی جیسا تعلق قائم رکھنا انتہائی غلط ہے۔  
یہ بات گورنر سے بانٹنا بھیجئے کہ شرعی مسائل میں غیر عالم پیروں  
اور صفویوں سے بھی فتویٰ نہیں لینا چاہیے۔

بلکہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سارہ کا نزدیک دودہ پلانا  
یقینی واقعہ ہے۔ خود سارہ معترف ہے کہ میں نے نزدیک دودہ  
پلایا ہے۔ یہ اعتراف کافی نہ ہوتا اگر خاوند یا بعض فتویٰ  
پر شہادہ دے کہ سارہ چھوٹ بول رہی ہے۔ دودہ ہرگز نہیں  
پلایا۔ لیکن یہاں یہ حضرات جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ یہ ہے کہ  
نہ تو ہم نے دودہ پلانے کا مشورہ دیا تھا نہ ہمیں دودہ پلانے  
کی خبر ہے تب بھی شک کی صورت نہیں نکلتی کیونکہ دودہ  
پلانے والی خود مقرر ہے اور اس استرار کو چیلنج نہیں کیا جا رہا  
ہے۔

ہاں اگر کوئی وجہ ایسی ہو جس کی بنا پر یہ شبہ کیا جا سکتا ہو  
کہ سارہ چھوٹ بول رہی ہے تب شہادہ اور ثبوت کا سوال  
کھڑا ہوگا۔ مگر آپ کا سوال نہیں بتاتا کہ ایسے شبہ کی وجہ  
موجود ہے بلکہ یہ معلوم ہو رہا ہے کہ دودہ پلانا سب کے علم  
میں ہے۔

لہذا واحد راستہ اب شریعت کی تعمیل کا یہ ہے کہ  
میاں بیوی (فاطمہ اور زید) الگ ہو جائیں۔ ان کا آپس میں  
تعلق رکھنا ایسا ہی ہے جیسے سگے بھائی اور بہن کا تعلق رکھنا۔  
جو بچہ گود میں ہے وہ باپ (زید) کا وارث ہوگا یا  
نہیں۔ یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ مولانا اشرف علی کا فتویٰ تو  
یہ ہے کہ وارث نہ ہوگا۔

فتاویٰ کی مشہور کتاب سرد المحدثات میں مجموع  
الفتاویٰ سے نقل کیا گیا ہے نکح کا فوم مسلمانة فولدت  
منہ لا یتبث النسب منہ۔ جلد ۱ ص ۱۵۵ (کا فوم  
نے مسلمان عورت سے نکاح کیا۔ پھر اولاد ہوئی تو اس اولاد  
کا نسب باپ سے ثابت نہ ہوگا)

کیوں نہ ہوگا۔ اس کی بھی وجہ یہیں واضح کر دی گئی  
ہے کہ یہ نکاح باطل ہے اور باطل نکاح نہ ہونے کے ہم  
معنی ہے لہذا حجر ذرنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا۔

اسی سرد المحدثات میں ہے لا یتبث النسب لا العدن  
فی نکاح المھارم جلد ۲ ص ۱۵۵ (حجر ذرنا سے نکاح  
کر دئے ہیں ان میں نکاح کیا جائے تو اولاد ثابت النسب

## غیر مسلموں کے تہوار اور تقاریب

**سوال ۱:** از۔ اے آر خاں۔ (دشندورنی)

(۱) میں ایک کاروباری انسان ہوں۔ میرے تعلقاً زیادہ تر غیر مسلموں سے ہیں۔ ان سے تعلقات بہتر رکھنے ہی میں میرے پیو پار میں ترقی ہو سکتی ہے (نعوذ باللہ) دکاروبار میں ترقی دینا نہ دینا تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے تاہم دنیاوی نقطہ نظر ہی ملاحظہ رہتا ہے)

سال میں دو چار مرتبہ ایسا ہوتا ہی ہے کہ ہمارے غیر مسلم ہرادران وطن ان کے تہوار اور جشن منانے کیلئے ہم سے بھی چندہ مانگتے ہیں۔ مثلاً گنپتی جلوس یا سیدو اجی جینتی وغیرہ کے موقع پر۔

ہم اے کہ یہ بتائیے کہ ایسے غیر اسلامی جلوس اور تہوار وغیرہ کے لئے نہ کہراہت ہی سہی چندہ دینا کیسا ہے اگر ہم چندہ نہ دیں گے تو اس بات کا امکان بھی ہے کہ غیر مسلمین کا تعصب بڑھ جائے یا بعض اوقات بات جھگڑے پر آجائے۔ میرے خیال میں فی زمانہ ایسے اتفاقات سے بھی مسلمانوں کو واسطہ پڑتا ہے اس لئے ایسے معاملات بذریعہ تجلی لوگوں کے گوش گزار کرنا بہت ضروری ہے۔

(۲) غیر مسلم بھائیوں کی شادی بیاہ میں صرف عفت خوانی (ان کی رسم نکاح) کے موقع پر حاضر ہونا کیسا ہے۔ بعض لوگوں سے تعلقات کی بنا پر ایسے اتفاقات ہوتے ہیں۔

## جواب:

کسی غیر مسلم قوم کا کوئی بھی تہوار ہو، اگر اسکی نوعیت مذہبی ہے اور اس کے عقب میں اہمیت پرستانہ عقائد یا بے جا رسم ہیں تو اسے مالی یا جسمانی تعاون دینا جائز نہیں ہے۔ نرمی اور تسکینی سے معذرت کر دیجئے۔

اور اگر نوعیت مذہبی نہیں تو جائز ہے۔ نہ ہی وہ مصلحت جس کا ذکر آپ نے فرمایا تو بے شک آج کے ماحول میں اس کی اہمیت ضرور ہے پھر بھی گوشہ نشین ہی کرنی چاہئے

کہ تعاون سے دامن بچا رہے۔ یہ ایک آزمائش ہے منجانب اللہ۔ جو جسے کردار کا مظاہرہ کرے گا ویسا ہی بدلہ بھی پاسکے گا۔

(۲) شادی کوئی مخصوص مذہبی رسم نہیں۔ طریقے ہر مذہب و ملت کے الگ الگ ہوں مگر نفس شادی ساری نوع انسانی کی تقریب ہے، لہذا غیر مسلمانوں کی شادیوں میں شرکت درست ہے۔ کھانا پینا بھی درست ہے جب کہ حلال غذائیں دستیاب ہوں۔

## مدعی مسرت اور گواہ حجت

**سوال ۱:** (الضیاء)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی جماعت اسلامی کے بانی ہیں۔ اس نسبت سے جماعت اسلامی ہند کو ان سے جو تعلق نظر ہے وہ محتاج بیان نہیں اور آپ تو جماعت کے رکن بھی نہیں۔ اس کے باوجود جب مولانا نے کوئی شخص اعتراض کرتا ہے یا ان کی تحریروں میں عیب جوئی کرتا ہے یا ان کو سرسے سے عالم ماننے ہی سے انکار کرتا ہے تو آپ کا نشان کھٹنے لگتا ہے اور پھر تجلی مجلس میں صفحات امی بھرت کی مذکور ہو جاتے ہیں اور جماعت کے کسی بھی رکن کے کان پر جوں تک نہیں رہتی۔ بلکہ جماعت کے لوگوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ اعتراض کا جواب نہیں دینا چاہئے۔ مولانا عام صاحب کو کچھ کہتے ہیں اچھا نہیں کرتے یہ بہاری جماعت کے اصولوں کے خلاف ہے۔ کیا وجہ ہے کہ آپ کے معترض کا جواب دینا اپنا فرض اولین قرار دے لیا ہے۔ آپ بھی اگر جماعت کے لوگوں کی طرح چپ سادہ رہیں تو کیا بڑھے گا؟

## جواب:

ہر شخص کو اپنی قبر میں سونا ہے اور اپنا حنا خود دینا ہے۔ جماعت اسلامی ہند کے ارکان جو بھی مسلک رکھتے ہیں اس کا حساب آخرت میں انھیں خود ہی چکانا ہے۔ مجھے اس کی کیا فکر کہ ان کا مسلک رو ہے یا ناروا۔

سکتی ہے۔ اس میں ایسے افراد بہت قلیل ہیں جو عملی و تحقیقی سطح پر طویل بحثیں کر سکیں۔ جو معدودے چند ہیں وہ ایسی ذمہ دار لوگوں میں گھرے ہوئے ہیں کہ چاہیں بھی تو اس گھاٹی میں ٹھہریں کھانے کا وقت نہیں نکال سکتے۔ نالائق اور مدبر تجلی تو شاید پیدا ہی ہوا ہے بحث و نظر کیلئے۔ کَلِّمْ عَمَلًا عَمَلًا شَاكِلْتَهُ۔

رہا آپ کا یہ مشورہ کہ ہم بھی جماعت اسلامی ہند والوں کی طرح چُپ سادہ لیں تو اسے قبول کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں۔ ہم اصلاً حق و صداقت اور علم و معرفت کے وکیل ہیں۔ اپنے علم و فہم کی حد تک علوم دینیہ کی خدمت اور ظلم کا دفاع ہمارا دائرہ کار ہے۔ چنانچہ تجلی میں آپ دیکھ ہی سکتے ہیں کہ فقط مولانا مودودی اور جماعت اسلامی ہی کی حمایت تک ہماری خامہ فرسائیاں محدود نہیں بلکہ بے شمار گونا گوں مسائل پر ہزاروں صفحات ہم نے سیاہ کئے ہیں اور کبر ہے ہمیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اپنے زمانے کی مظلوم ترین شخصیت — ابو الاعلیٰ مودودی پر کئے جانے والے غلط اعتراضات کی جواب دہی سے توبہ کر لیں۔ آپ یا جماعت اسلامی ہند کے بعض اراکین یا زید عمر و بکر کوئی بھی ہماری روش سے ناخوش ہے تو ہو الکرے۔ وہ اپنے گھر خوش۔ ہم اپنے گھر خوش۔ جنت کی بھی بہر حال نہ عجزت اسلامی کے قبضے میں ہے نہ علماء دیوبند کے۔ ہوتی تو جنت مسنان ہی رہ جاتی۔

جن جوابات کے سوالات حذف

کر دیئے گئے وہ اگلے صفحے سے ملاحظہ

فرمائیے

دیے پاکستانی جماعت اسلامی کا یہ مسلک نہیں۔ خود بانی اور امیر مولانا مودودی نے معتزضین کے جواب میں ہزاروں صفحے لکھے ہیں اور بعض اراکین جماعت کی بے شمار جوابی تحریریں شائع ہو چکی ہیں۔

مئی ۱۹۳۷ء کے ”آغاز سخن“ میں جماعت اسلامی ہند کی طرف کچھ سہم سے اشارے کئے تھے۔ ان کے پیش نظر یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ جب یہاں کی جماعت والے یہ کہتے ہیں کہ ”معتزض کا جواب دینا ہماری جماعت کے اصولوں کے خلاف ہے“ تو ان کا مطلب ”ہماری جماعت“ سے دراصل جماعت اسلامی نہیں ہوتا بلکہ وہ گروہ ہوتا ہے جو ”جماعت اسلامی“ کے نام سے ہندوستان میں کام کر رہا ہے۔ اس کے جو بھی اصول ہوں ضروری نہیں کہ وہ اصل جماعت اسلامی کے بھی ہوں۔ مولانا مودودی والی جماعت اسلامی کا اصول اگر معتزضین کے جواب میں مکمل خاموشی ہوتا تو ہزاروں صفحات کا وہ لٹریچر بازار میں نہ آتا جو الزامات و اعتراضات کے جوابات ہی سے عبارت ہے۔

بہر حال یہ تو اپنا اپنا مزاج اور انداز فکر ہے۔ ہندوستان کی جماعت اسلامی اور ایڈیٹر تجلی دونوں ہی کو مولانا مودودی سے گہرا تعلق خاطر یقیناً ہے۔ فرق اتنا ہے کہ اول الذکر تو اس تعلق خاطر کا ثبوت ان کی تصانیف فروخت کر کے دیتی ہے اور خدا کا شکر ہے کہ اس خدمت کا نقد صلہ ایسے پورے پورے اہل رہا ہے مگر ثانی الذکر یعنی نالائق ایڈیٹر تجلی اس تعلق خاطر کا اظہار بس ان پورے گالیوں کے ذریعہ کر پاتا ہے جن سے ہر گانے تو خفا ہیں ہی اپنے بھی خوش نہیں ہیں۔ معام نہیں اللہ بھی خوش ہے یا نہیں۔ اگر نصیب اعدا وہ بھی خوش نہ ہوا تو بلاشبہ عامر عثمانی کی مٹی پلید ہو گئی۔ لیکن وہ خوش ہو تو پھر بال برابر پروا نہیں کہ کون کیا فرماتا ہے اور کسے کس بات پر تنقید ہے۔

ایک مجبوری جماعت اسلامی ہند کی اور بھی ہو

## حضور کا سایہ

اس موضوع پر تجلی میں بہت مفصل کلام ہو چکا ہے۔  
 در تجلی جون سنہ ۱۹۷۷ء تا اکتوبر ۱۹۷۷ء) یہ خیال و عقیدہ ہے بنیاد  
 بلکہ صحیحاً خلافت واقعہ ہے کہ حضور کا سایہ نہ تھا۔ جن بعض  
 روایتوں سے اس پر استدلال کیا جاتا ہے وہ لائق اعتبار نہیں  
 بلکہ بخاری و مسلم جیسی کتابوں میں صحیح و قوی روایات ان کے  
 خلاف موجود ہیں۔ باقی واعظین کرام انہی ہرٹ سے باز  
 نہیں آئیں گے۔ ہرٹ بھی کیا۔ یہ تو دراصل ان کا روبرو بھی  
 ہے اور افتاد طبع بھی۔ وعظ میں عجائبات نہ ہوں تو سادہ  
 لوح عوام کو مزہ کیا آئے۔ آپ اس چکر میں نہ پڑے۔ آخرت  
 میں بہر حال آپ کے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم رسول اللہ  
 کے سائے کے قائل تھے یا نہیں تھے۔

## والدین کے حقوق

والدین کی نافرمانی اور دل آزاری اتنا بڑا گناہ ہے کہ  
 قرآن وحدیث میں اسے متعدد بار شکر کے متصل بعد رکھا گیا ہے  
 انھیں یہ حق تو اللہ تعالیٰ نے نہیں دیا کہ اپنے بائع بیٹے یا بیٹی  
 کی شادی اس کی رضامندی کے بغیر کر دیں۔ لیکن بیٹے بیٹی  
 کو یہ ہدایت ضرور کی گئی ہے کہ سوائے ان امیر کے جن  
 میں خدا کی نافرمانی لازم آتی ہو تمام امور میں والدین  
 کی فرماں برداری کریں اور اس کے سلسلہ میں کچھ جسمانی  
 یا ذہنی درد و حافی تکلیف بھی اٹھانی پڑے تو صبر و شکر کے  
 ساتھ اٹھالیں۔

والدین اگر بعض ایسے عقائد میں مبتلا ہیں جنھیں بیٹا  
 بدعت یا حماقت یا ضلالت سمجھتا ہے تو بیٹے کا یہ فطری ضرور  
 ہے کہ نرمی اور ادب کے ساتھ انھیں صحیح عقائد سے آگاہ کرے۔  
 لیکن ان سے سرتانی اور ان کی دل آزاری پھر بھی جائز نہیں  
 ہے حتیٰ کہ کافر والدین کے حقوق بھی مسلمان بیٹا بیٹیوں سے  
 ساقط نہیں ہوتے۔  
 گوناگوں صورتوں پر الگ الگ بحث تو ممکن نہیں۔

خلاصہ اتنا ہی سمجھ لینا چاہئے کہ والدین کو دکھ پہنچانا بہت  
 بڑا گناہ ہے۔ الایہ کہ خدا کی نافرمانی سے بچنے کے سلسلے  
 میں بدرجہ مجبوری یہ دکھا نہیں پہنچ جائے۔

## تصویر

ہمارے وہ ہزاروں اکابر جو دین اور دنیا دونوں کے  
 علوم میں استاد ہی اور امامت کے درجوں تک پہنچے وہ  
 بھی کچھ ہی بچے ہی تھے اور ابتدائی کتابیں انھیں پڑھانی  
 گئی تھیں۔ ان کتابوں میں کوئی تصویر نہیں تھی۔ پھر کیا تصویر  
 کے بغیر وہ آگے نہ بڑھ سکے۔ یہ دراصل زمانے کے رجحان  
 کی بات ہے کہ بچوں کی کتابوں میں تصاویر لازمی سمجھی جانے  
 لگی ہیں۔ حالانکہ مثلاً شیخین سے شیر کے بجائے شیخین سے  
 شیشہ یا شیشم یا شہد لکھا جائے تو شیر کی تصویر کی ضرورت  
 نہ پڑے گی۔ اسی طرح کاف سے گھوڑا کیوں ضروری ہو۔  
 کاف سے گلاس اور گیند اور گلاب بھی تو ہو سکتا ہے۔  
 زمانہ قدیم کے اسباق میں بھی پرانے انسانوں کی  
 نہرہی و خیالی تصاویر بالکل غیر ضروری ہیں۔ ہر بات  
 ان کے بغیر ہی سمجھائی جاسکتی ہے۔ دراصل جب کسی شے  
 کی قباحت دل سے نکل جائے بلکہ وہ سخن بھی جانے لگے  
 تو پھر اس کے گوناگوں استعمالات خود ہی نکلتے چلے آتے  
 ہیں۔ یہی معاملہ تصویر کا ہے۔

رہا پاسپورٹ یا تعارفی کارڈ یا ایسی اشیاء کا  
 معاملہ جن میں فوٹو کی ضرورت و حکمت واضح ہے اور  
 بغیر اس کے کام نہیں چلتا تو ان کے سلسلے میں اسلام  
 اسی طرح اجازت دیتا ہے جس طرح اضطرار کی حالت  
 میں سو اور مردار کھانے کی اجازت دیتا ہے۔

## افسانہ نویسی

افسانے اور ناول کا جو ازاں کے موضوع مضمون اور  
 مشکلات پر ہے۔ اگر یا کیزہ خیالات اور اخلاقی اسباق  
 اس سلیقے سے پیش کئے جائیں کہ سفلی و شہوانی جذبہ یا انگیز

نہ ہوں تو جو از میں کوئی شک نہیں ہے۔

ہر

ہر کی کوئی رقم شریعت نے مقرر نہیں کی۔ اس میں مصلحت یہ ہے کہ انسانوں کی مالی حالتیں اور اقتصادی حیثیتیں مختلف ہوتی ہیں۔ ہر اتنا ہونا چاہئے جو شوہر کی موجودہ مالی حیثیت کے اعتبار سے نہ تو اتنا کم ہو کہ کوئی اہمیت ہی نہ رکھے نہ اتنا زیادہ ہو کہ ادائیگی محال ہو۔

ہر عورت کے جسم پر تصرف کے حق کی قیمت ہے انصاف کا تقاضا تو بظاہر یہ تھا کہ پوری رقم بوقت نکاح ادا کی جاتی یا کچھ ادا کرتے ہوئے باقی کی قسطیں طے کر لی جاتیں کہ اتنی مدت کے فصل سے ادائیگی ہوتی رہے گی لیکن دوسرے معاملات بیع و شریع کی طرح شریعت نے اس معاملے میں بھی آزادی بخشی ہے کہ فریقین اگر فوری یا قسط وار ادائیگی کے بجائے فرض پر راضی ہو گئے ہیں تو قرض ہی معاہدہ کر لیں۔ اسی لئے ہر کی دو میں ہر گئی ہیں۔ ایک معجل دوسری مؤجل۔ معجل نام ہے فوری ادائیگی کا اور مؤجل کی اصطلاح ایسی تمام شکلوں کو حاوی ہے جن میں فوری ادائیگی نہ ہو۔ مسلمانوں میں عام رواج یہ ہے کہ ہر مؤجل کا مطالبہ عورت یا تہ طلاق ملنے پر کر سکتی ہے یا شوہر کی موت پر۔ اگر کسی عورت کے سر پر دست یہ چاہیں کہ شادی کے بعد کسی بھی وقت ہر طلب کرنے کا حق عورت کو میسر رہے تو وہ نکاح سے قبل شوہر سے اس طرح کا عہد نامہ کر سکتے ہیں۔ شوہر اگر اس پر راضی ہو گیا اور وعدہ لکھ کر دیدیا تو عورت بلاشبہ ہر وقت مطالبے کی حق دار رہے گی۔ لیکن اگر ایسا کوئی معاملہ طے نہیں پایا تو اعتبار رواج کا کیا جائے گا اور عورت مذکورہ دو صورتوں ہی میں ہر کا دعویٰ کر سکے گی۔

جہاں تک مرد کا تعلق ہے اسے صدق دل سے یہ

ارادہ رکھنا چاہئے کہ ہر ادا کرے گا۔ یہ جو عام ذہنیت پیدا ہو گئی ہے کہ ”کون دیتا ہے کون لیتا ہے۔“ یہ اسلامی ذہنیت نہیں۔

### حیکمہ دن مصافحہ اور معافقہ

مصافحہ اور گلے ملنا اظہار تعلق کے اسلوب ہیں۔ ان دونوں کا ثبوت احادیث سے بھی ملتا ہے لہذا ان کو برتنے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن کسی خاص وقت میں ان کا التزام ثابت نہیں اس لئے لازم نہیں سمجھ لینا چاہئے۔ نماز عید پڑھ کر ہر مسلمان ہر مسلمان سے گلے ملے یا مصافحہ کرے یہ تو ممکن ہی نہیں ہے۔ جو ان سردگر محوشی کا اظہار کرنا چاہیں وہ بشوق کر سکتے ہیں مگر جو نہ چاہیں ان پر اجتراف نہیں کیا جاسکتا۔

### مختلف مسائل کا معاملہ

احادیث اشواج اہل حدیث وغیرہ بلاشبہ یکدہ دوسرے کے پیچھے ناز پڑھ سکتے ہیں۔ البتہ جن صورتوں میں کہ ایک مسلک والے کے نزدیک وقت نماز ابھی ہوا ہی نہ ہو اس شرکت نماز سے پرہیز کرنا چاہئے۔

### حضرت عائشہ اور ناچ گانے

بعض خوش فکروں کو یہ تو خوب یاد رہتا ہے کہ حضور نے حضرت عائشہ کو حبشیوں کا ناچ دکھایا تھا مگر یہ انہیں بالکل یاد نہیں کہ حضرت عائشہ اس وقت کم عمر تھیں۔ اور یہ تو بھلا وہ کیسے یاد رکھنے کہ حضرت عائشہ کا اسوہ بڑے ہو کر یہ تھا کہ ناچ گانا تو درکنار وہ اونٹ کے کھادے یا اگر دن یا پیروں میں بندھی ہوئی گھنٹیوں ناک کی ”موسیقی“ سے بیزار ہی کا اظہار فرماتی تھیں اور عورتوں کا گھونکر باندھنا بھی ان کے نزدیک ناپسندیدہ تھا۔

اسے بھائی۔ ناچ گانے کے جذبہ کو طے ہی نہیں اور تحییر سفیاد کھینا ہی ہے تو اہمیت کی ماں کی تہ میں پھلانگ

حضرت آدمؑ تو بابت اور ماں دونوں کے بغیر پیدا کئے گئے تھے۔ اگر یہ خلاف عقل نہیں تو صرف باپ کے بغیر پیدا ہونا خلاف عقل کیوں؟

خلاف عقل نہیں بلکہ قانونِ طبعی کے خلاف کہتے۔ آپ مسلمان ہیں اس لئے معجزات کے قائل بھی ہوں گے۔ قانونِ طبعی کے مستثنیات ہی کا نام معجزہ ہے عقل بھی معجزات کی مخالف نہیں کیونکہ عقل ہی ہمیں یہ استدلال عطا کرتی ہے کہ جو خدا عدمِ شخص سے اتنی بڑی کائنات نکال سکتا ہے اور اس کے لئے ذرا مہین وضع کر سکتا ہے وہ یقیناً اس پر بھی قادر ہے کہ جب چاہے کسی قانون کی کارکردگی کو روک دے اور کسی جدید تکنیک سے کام لے۔

سائنس انسانی ظلیوں کی ساخت اور ان تمام اجزا کو دریافت کر چکی ہے جو ذی روح اجسام میں پائے جاتے ہیں لیکن ان تمام اجزاء کو الگ سے یک جا کرنے وہ زندگی تخلیق نہیں کر سکتی جس سے ناسیت ہو کہ روح اور زندگی صرف اجزاء کے اجتماع سے عبارت نہیں بلکہ وہ کوئی اور شے ہے۔ قرآن اس شے کو "امرِ ربّی" کا نام دیتا ہے۔ آپ قرآن کو نہ مانیں تب بھی اس استدلال کی معقولیت آپ کو ماننی ہوں گی کہ جو عظیم قدرتِ والہی ہستی منی کے چن چھتر قطروں سے انسان جیسی مخلوق پیدا کر سکتی ہے وہ یہ بھی کر سکتی ہے کہ تنہا عورت کی منی سے انسان پیدا کر دے۔ سوال بس اتنا ہے کہ اس امر کا ان کے وقوع کا تشفی بخش ثبوت مل جائے۔ قرآن کے کلامِ الہی ہونے پر قوی ترین عقلی دلائل موجود ہیں لہذا اس میں دی ہوئی یہ خبر بھی عقلاً ہی لائق تسلیم ہوگی کہ حضرت عیسیٰؑ بغیر باپ کے پیدا کئے گئے۔

رہی کٹ جھٹی تو کیا آپ نہیں دیکھتے کہ لاکھوں اشخاص خدا کے وجود ہی کو تسلیم نہیں کرتے اور اس طور پر عمل کو عین معقولیت قرار دیتے ہیں۔ لہذا میں نہ مانوں گا کوئی علاج نہیں ہے اور حضرت عیسیٰؑ کی بغیر باپ کے پیدائش تو بعد کی بات ہے۔ آپ ان سے یہ بھی نہیں منوا

کیوں لگاتے ہو۔ ڈٹ کر نعرہ لگاؤ کہ:-  
اب رہ عیش کوشش کہ عالم دوبارہ نیست

## شہب قدر

یہاں جس وقت رات ہوتی ہے امریکہ میں دن پھر آپ کو اس سے تشویش کیوں۔ آپ بیک وقت دونوں جگہ تو ہونگے نہیں جہاں پائے جا رہے ہو وہیں کی تاریخ اور وقت کے اعتبار سے شہب قدر ڈھونڈیے۔ مل جائے تو کیا کہتے۔ نہ ملے تو بہر حال تلاش کا ثواب پھر بھی ملے گا۔

## طلاق

ایک طلاق دیکھ کر زید نے رجوع کر لیا تو زید جمعہ شیک درست لیکن یہ ایک طلاق اس کی فسر و عمل میں لکھی گئی۔ آئندہ اگر پھر ایک دے کر رجوع کرے گا تو دو طلاقیں ہو جائیں گی۔ اس کے بعد چاہے جب بھی ایک طلاق دے یہ تیسری شمار ہوگی اور اب رجوع ممکن نہ ہوگا۔

## دیوبندی اور اہل حدیث سب کا فر

بریلوی مکتب فکر کے عالی مفتی ہم دیوبندیوں کو اور اہل حدیث حضرات کو کافر قرار دیتے ہیں یہ پرانی بات ہوتی آئیے خواہ خواہ ان سے فتویٰ حاصل کیا۔ پھر یہ فرمائش تو اور بھی لا حاصل ہے کہ ہم اسے شائع کر کے ہدف تنقید بنائیں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

کس کس کی ناک میں ٹیکس ڈالنے گا۔ ہرگز وہ اپنی جگہ ممکن ہے کہ میں ہی حق پر ہوں۔ اب قیامت ہی سب کے مابین فیصلہ کرے گی۔

## حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش

حضرت عیسیٰؑ بغیر باپ کے پیدا ہونے سے اس کا عقلی ثبوت تو وہ ڈھونڈیے جسے یہ بات خلاف عقل معلوم ہوتی ہو۔ ہم تو نہیں سمجھ سکے کہ اس میں خلاف عقل کیا چیز ہے۔

سکتے کہ چاند اور سورج خدا کے پیدا کردہ ہیں۔

## پیدا آشتی سعید و شقی

بلاشبہ حدیث میں اس کی اطلاع دی گئی ہے کہ انسان پیدا آشتی ہی شقی بھی ہوتا ہے اور سعید بھی۔ لیکن اس میں تشریح کی کیا بات ہے۔ کیا آنجناب تقدیر کے قائل نہیں ہیں؟ یعنی کیا آپ اس کا یقین نہیں رکھتے کہ بندے اپنی پوری زندگی میں جو کچھ بھی کریں گے اللہ کو اس کا پہلے ہی سے علم ہے۔ اگر رکھتے ہیں تو اس کا تو مطلب ہی یہ ہے کہ جس شخص کو اپنی بد اعمالیوں کے باعث بُرا بننا ہے اسکے برے اور شقی ہونے کا علم پہلے ہی سے اللہ کو ہے اور جسے اچھے اعمال کی بنا پر بھلا (سعید) بنانا ہے اس کا بھی علم اللہ کو پہلے سے ہے۔ اللہ نے اپنے علم کو اگر کسی لوح یا کاغذ یا کسی اور شے میں ثبت کر دیا ہو تو اس میں خلافت فقل کیا ہے اور اسی کو تقدیر کہا جائے تو اس سے خود بخود یہ نتیجہ نکل آتا ہے کہ جس آدمی کو جیسا بھی بننا ہے وہ سب کتاب تقدیر میں موجود ہے۔

یہی مراد ہے حدیث کی۔ بھرا د نہیں کہ ذاتیات کی طرح آدمی کو شقاوت کے نتیجے سے نکلنے اور سعادت کی فسر و دگاہ میں داخل ہونے کا اختیار ہی نہیں ہے۔ آدمی اختیار دے کر بھی گیا ہے۔ وہ بھلائی یا برائی اپنے اختیار ہی سے کرتا ہے۔ اگر اس نے زندگی کے بڑے عرصہ میں تو نیک کام کئے مگر آخر عمر میں کوئی کام ایسا کر ڈالا جو ساری نیکیوں پر پانی پھیر دینے والا ہو۔ مثلاً کافر ہو گیا یا والدین کو شدید ایذا پہنچائی یا ناحق کسی کو قتل کر ڈالا تو وہ شقی ہی کہلائے گا اور اس شقاوت کا ذمہ دار وہ خود ہے۔ اسی طرح اس کے برعکس۔ لہذا حدیث کے الفاظ یستبق علیہا الكتاب کا مطلب یہ نہیں کہ وہ از روئے تقدیر ایسا کرنے پر مجبور تھا بلکہ یہ ہے کہ اپنے اختیار کو جس شکل میں بھی اس نے استعمال کیا اللہ اس سے پہلے ہی باخبر تھا اور اس واقعیت کو درج کتاب کر دیا تھا۔

(کتاب کے مراد نوشتہ بر تقدیر ہے)

انسوس ہے کہ بعض واعظ حدیث تو بیان کر دیتے ہیں مگر اس کی ٹھیک ٹھیک شرح و وضاحت نہیں فرماتے جس کی وجہ سے دوسو سوں کو مشہ ملتتی ہے۔

## نماز عید کا ایک عجیب مسئلہ

زید جہاں رہتا ہے وہاں ۲۹ رمضان کو چاند نہیں دیکھا جاسکا لہذا اگلے دن اس نے روزہ رکھا۔ روزے ہی کی حالت میں وہ قریب کے کسی شہر میں نماز عید کی امامت کے لئے بلا یا گیا۔ اس شہر میں رویت ہلال ہو چکی تھی اور آج عید تھی۔ زید نے باوجود روزہ دار ہونے کے عید کی نماز پڑھائی اور بعد نماز لوگوں کو اس کا علم ہوا تو اس نے کہا کہ میں اپنی نماز عید گل پڑھوں گا۔ آپ لوگوں کی نماز ہو گئی گیونکہ اس کی بھی ایک حدیث ہے۔

اس مسئلے میں ہم کیا کہیں۔ ہماری محی و در نظر سے کتب فقہ میں یہ جزئیہ نہیں گذرا نہ ایسی کوئی حدیث ہمیں متحضر ہے لہذا بہتر ہو گا کہ زید ہی سے حدیث کا نہ صرف حوالہ پوچھا جائے بلکہ اسے اصل کتاب میں دیکھ بھی لیا جائے۔

ہم اس باب میں اپنے کو فیصلہ کن جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں پاتے۔

## حجت الاسلام مولانا محمد قاسم کی چند تصانیف

شرح و تہلیل کے ساتھ

- قبلہ نما مجلد — آٹھ روپے۔
- حجت الاسلام مجلد — چار روپے۔
- حکمت قاسمیہ مجلد — ڈیڑھ روپے۔
- انتصار الاسلام — تین روپے ۵ پیسے۔
- مکتبہ تجلی۔ دیوبند (یو پی)۔

ایک مستند مفصل اور راجح پرورد سیرت رسول

## سیرت حلبیہ (۱)

اردو میں سیرت کی بہت کتابیں موجود ہیں جو اپنی جگہ بیش قیمت ہیں لیکن اسکے تقریباً تین سو برس پہلے کے ایک عالم علی ابن برہان الدین حلبی کی سیرت حلبیہ اپنا ایک الگ مقام رکھتی ہے، اس نے جناب محمد اسلم قاسمی نے اسکے اردو ترجمہ کا اہتمام کیا اور کم استطاعت عوام تک پہنچانے کے لئے اسے قسط وار چھاپنے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ اب تک ۱۲ قسطیں چھپ چکی ہیں اور ہر دوسرے مہینے قسط آجاتی ہے۔

### خریداری کا آسان طریقہ

آپ ایک روپیہ بھیج کر ممبر بن جائیں۔ فوراً آپ کو پہلی دو قسطیں ڈاک خرچ معاف کر کے صرف پانچ روپے ۲۰ پیسے کی دی پی پی سے بھیج دی جائیں گی۔ ہر دوسرے مہینے اگلی دو قسطیں اسی طرح پیش کی جائیں گی آپ چاہیں تو بجائے دو ماہ کے ایک ماہ بعد کا پروگرام بنا لیں۔ ۱۲ قسطیں چونکہ موجود ہیں اس لئے انھیں آپ کی مرضی کے مطابق آپ ہی کے بنائے ہوئے وقت پر بھیجا جا سکتے ہیں۔ آپ چاہیں تو ایک وقت میں دو سے زیادہ بھی طلب فرما سکتے ہیں۔ البتہ جب شائع شدہ قسطیں آپ تک پہنچ جائیں گی تو اس کے بعد ہر قسط دو ماہ بعد ہی حاصل کر سکیں گے۔

امید ہے کہ اہل ذوق اس سلسلے سے فائدہ اٹھائیں گے۔

## تجلی کے چند مخصوص نمبر

آپ آج بھی حاصل کر سکتے ہیں

ڈاک نمبر ۱ بہت سے اہم سوالوں کے مفصل اور ایمان افزہ جوابات۔ اس نمبر میں صرف پانچ مضامین ہیں "آغاز سخن" (عام عثمانی)، "جماعت اسلامی کی دعوت" (مولانا مودودی)، "تجلی کی ڈاک" (عام عثمانی)، ایک کہانی ایک حقیقت" (عام عثمانی)، "مسجد سے بیگانے تک" (مولانا ابن العربی، مکی) قیمت — سو روپیہ۔

خاص نمبر ۱۹۶۳ء انواع بنوع مضامین۔ دقیق بحثیں۔ دلکش مواد۔ قیمت — ڈیڑھ روپیہ۔

حاصل مطالعہ نمبر ۳ گونا گوں موضوعات پر نہایت قیمتی مضامین۔ اس کے تین مضامین تو بہت ہی مقبول ہو چکے ہیں۔ (۱) اسلامی تزکیہ نفس (مولانا مودودی)، (۲) جماعت اسلامی کیسے قائم ہوئی (خورشید احمد)، (۳) شیخ عبداللہ کے خطوط۔ صفحات ۲۲۲۔ قیمت — ساڑھے تین روپے۔

خاص نمبر ۱۹۶۹ء اس نمبر کا بڑا حصہ ان اعتراضات کے تحقیقی اور علمی جوابات پر مشتمل ہے جو

مولانا مودودی پر کئے جاتے رہے ہیں۔ اس کی قیمتیں کچھوں کا جواب آج تک کوئی نہیں دے سکا۔ صفحات ۳۳۸ چار روپے سالنامہ ۱۹۷۱ء چار سو سے زائد صفحات کا یہ ضخیم نمبر بہت نفیس چیز ہے۔ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ قیمت — چھ روپے۔

مکتبہ تجلی دیوبند

# تکبر یا عزتِ نفس؟

ہفت روزہ "تیور" (مالیگاؤں) کا ایک ادارہ نقل ہے۔ مقصود مولانا مودودی کی مدح یا مولانا دریا بادی کی ذم نہیں۔ چونکہ اس ادارہ میں فاضل ادارہ نگار نے بڑی تلاش سے ایک خاص موضوع کا مواد جمع کر دیا ہے لہذا ہمیں مناسب معلوم ہوا کہ یہ قارئین تجلی تک بھی پہنچ جائے عنوان سمیت حرقاً نقل ہے۔ (ادارہ)

مؤرخہ ۶ اگست ۱۹۶۳ء بروز پیر

شیشہ سے نازک حساسیت.....

..... مولانا دریا بادی کی خدمت میں!

مولانا دریا بادی اپنے موقر بزرگ

"صداق جاریہ" میں رقمطراز ہیں:-

بے محل رجز خوانی | اہلنا تجلی دیوبند میں بھی پاکستانی جریدے سے منقول:-

"میں بھٹو صاحب سے کہتا ہوں کہ میں آپ کی پیدائش سے

بھی دس سال پہلے سے ہی پبلک لائف میں موجود ہوں۔ میری

کتابوں میں لاکھوں کی تعداد میں گھر گھر پھیلی ہوئی ہیں۔ مشرق و مغرب

ہی میں نہیں بلکہ دنیا کے بہت سے ممالک میں برسوں سے ان کی

اشاعت بڑے پیمانے پر ہو رہی ہے۔ آپ دس سال بھی ریڈیو گیتیا

کریں تو میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ بشرطیکہ آپ دس سال تک برسر

اقتدار رہ سکیں۔ مجھے آپ کے پروپیگنڈہ کی ذرہ برابر پروا نہیں

میں اس کا ٹوش تک نہیں لیتا۔ یہ رجز خوانی سیاسی

لیڈروں کو تو بے شک زہیب دیتی ہے، ان کا یہ روز مرہ ہے۔

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ لیکن ایک دینی پیشوا، ایک مفسر قرآن

ایک داعیِ اقامتِ دین کے بھی شانیاں شان ہے، دنیا جانتی ہے

"صداق" مولانا مودودی کے مخالفین و معاندین میں نہیں، ان کو

ایک بہترین خادمِ دین سمجھتا ہے، ان کی خدماتِ دین سے خوش

ہونے والا، ان کی کامیابیوں پر انھیں مبارکباد دینے والا، لیکن

خایا گواہ ہے کہ ہر تھوڑے دنوں کے بعد ان کی زبان سے ایسے ہی

فقرے مسکر دل ہٹ جاتا ہے اور عقیدت کو اچھی خاصی

ٹھیس لگ جاتی ہے۔ اپنی مقبولیت و مرجعیت پر تو باخدا انسان

کو اور زیادہ جھک جانا چاہئے نہ کہ اس میں کسی قسم کا بھی ترفع

انانیت، خود نمائی، خود ستائی کا شائبہ بھی پیدا ہو۔

ہیں مولانا مودودی کی یہ تنقید اور تبصرہ بڑھ کر

جبرت ہوئی کہ آخر کون سی ایسی بات مولانا مودودی کے حلقوں

میں کہہ دی گئی کہ جس سے مولانا دریا بادی کی عقیدت جرح

ہو گئی۔ آخر ایسے دین کے دشمنوں کے سامنے جنہوں نے خدا سے

بنادت کر کے اپنا ایک طاغوتی نظام مخلوقِ خدا پر مسلط کر رکھا

ہو اور اپنے جبروت اور قوتِ اقتدار سے اللہ کا کلمہ بلبلا

وہ ایک میسہ زیادہ رہے گا مگر ان کپڑوں میں ایسا دل ہے کہ اگر  
تھوڑا حصہ پوری تخلیق کے مقابلہ میں لایا گیا تو یہ تھوڑا حصہ ہی  
بھاری رہے گا۔

موت و محل سے ان اشعار کو الگ کر کے دیکھیے تو خود  
غور و تاملی ذمکتیر کا وہ انار از معلوم ہو گا جس کا عشر عشر بھی  
مولانا مودودی کے جملوں میں نہیں ہے۔ مولانا محمد  
قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب اپنی کتاب "تذریل الناس"  
لکھی تو ایک حلقہ کی طرف سے شدید مخالفت کی گئی۔ انہیں  
دونوں حضرت نانوتوی کا سفر اسپور پیش آیا۔ یہاں ان عبارتوں  
پر چہ میگوئیاں زیادہ تھیں۔ مولانا نے ایک تقریر کی اور  
وہاں کے فلسفیانہ ماحول کی وجہ سے قارئین کی طور پر تفسیر پر  
کا عنوان رد فلسفہ و فلاسفہ تھا۔ مولانا نے ایک سو تھوڑے  
زمایا، لوگ گھروں میں بیٹھ کر چہ میگوئیاں کہتے ہیں اگر انہیں  
جرات و ہمت ہے تو میدان میں آئیں مگر یہ سمجھ کر نہ آئیں کہ  
وہ قاسم سے عہدہ برآ ہو جائیں گے، اللہ کی حجت تمام ہو چکی  
ہے۔ اس عبارت کے نافلہ تو خود مولانا طریب صاحب زیدچوہ  
ہیں۔ ان عبارتوں کو ان کے مروجہ محل اور مفہمنی حال کا لحاظ  
کرنا ہوتے دیکھا جائے تو یقیناً ماننے پر مجبور ہوتے ہیں بلکہ انتہائی  
مبنی بر محل کلام ہے۔ مولانا مودودی نے جن لوگوں کو سامنے  
رکھ کر یہ بات کہی ہے، وہ آخر وہی تھے کہ دین پسندوں میں  
ہزار عجیب لگا کر ان کی نشہیری چلنے اور رہا ہو اورٹی۔ وہی پر  
باقاعدہ ان کے خلاف مہم چلائی جائے۔ آخر اگر انہوں نے اپنی  
زہرگی کو خود اپنی صفائی میں پیش کر دیا، کونسا آسمان ٹوٹ  
پڑا اور زمین شق ہو گئی کہ ہمارے اساطین علم اور مولانا علی صاحب  
دریا آبادی جیسا وسیع النظر عالم جنین کہیں ہو جائے اور ان کی  
عقیدت کو صدمہ پہنچ جائے۔ آخر علی القادری جیلانی  
رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جملہ اکثر اہل علم جانتے ہوں گے وحلی علی  
رقیۃ کل دی (میراثہم ہر دی کی گردن پر ہے) کون نہیں  
جانتا کہ صوفیہ کا مشہور مقولہ ہے جس کو حضرت مکیا نووی مرحوم  
نے "دعوات عبارت" میں بھی نقل کیا ہے التکبر مع التکبر  
عبادۃ (دنیا دار متکبروں کے سامنے تکبر سے ہی پیش آنا چاہئے، یہی

کرنے والوں کو جبر و استبداد کے نیکبختوں میں کس دیا ہو چکی  
چہرہ دستبندی سے غیر تو کیا اپنے بھی نالال ہوں۔ مولانا مودودی  
نے اگر ان کے سامنے زندگی کے ایسے رخ کو پیش کیا جس سے  
دین کی خیریت اور اللہ پاک کے خصم ہی فضل کا، جو اس نے  
اپنے اس بندے پر کیا ہے، اظہار ہوتا ہے تو آخر اس کو کبر و  
غور پر ہی کیوں محمول کیا جاتا ہے، آخر یہ سخی ریت نعمت کیوں  
نہ ہو جس کو فہر ان اما بعتہ ربک فحقث اپنے  
رب کی نعمتوں اور فضل کو بیان کر دے سے تیر کرتا ہے۔ آخر قرآن  
ہی میں تو ہے کہ جب کفار نے حضور کی دعوت کا انکار کیا  
اور ساحر و جمنوں کو کہا، مبینین اور ایاز میں دین تو آپ نے  
فرمایا فَعَلْنَا لَمِیثُ فَبِئْسَ کُمْ شَعْرًا مِّنْ تَمَیِّمٍ أَفَلَا تَعْقِلُونَ  
دیں تم میں ایک مگر ٹھیک چکا ہوں، کیا تم عقل نہیں رکھتے؟  
یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے اعلیٰ اخلاقی  
نمونہ کی طرف ہی تو اشارہ فرمایا کہ آخر ایسے شخص کی دعوت کا  
انکار تم کیسے کرتے ہو، کیسے اس کو ساحر و جمنوں کہتے ہو جس کی  
زندگی اعلیٰ اخلاق و کردار کا نمونہ پیش کرتی ہو؟۔ اسی  
اسوہ کا اتباع اگر ایک دینی دنیا کی کیا جس کا وہ سب سے  
زیادہ مستحق بھی ہو تو آخر یہ شخصہ و غرور کیسے بن گیا؟ یہی نہیں  
بلکہ جلیل القدر سستی حضرت امام شافعی کا واقعہ بھی کچھ ایسا  
ہی ہو چکا مولانا فارسی حماد طریب صاحب، مظلہ نے نقل فرمایا  
ہے۔

" ایک دفعہ امام شافعی نے اک حجام کو یاں ترانے کے لئے  
بلایا، دوسری طرف سے شہزادہ نے آواز دی۔ حجام یہ سوچا کہ شہزادہ  
زیادہ اجرت دے گا اور یہ شخص خود ہی بوسیدہ کپڑوں میں ہے  
لہذا اس نے امام کی طرف توجہ دی، جب شہزادہ جلا گیا تو یہ حجام  
پھر امام کے پاس آیا۔ امام نے بال ترشوانے کے بی شہزادہ سے کئی گنا  
زیادہ اجرت دی۔ حجام جرت زدہ ہو گیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ  
اس سیز پر برد و شعر ٹپھے ہ

تجلی نیاب لویبایع مثلاً  
رفیع نفس لویقاس بعضہا  
دستبرجم پرکرتے تو ایسے ہیں کہ اگر ایک پیسے کے عوض بیچے تو پھر بھی

عبادت ہے) پاکستانی ارباب اقتدار ہوں یا مصر کے ذراعہ ان کے سامنے گفتگو کا وہ انداز جسے مولانا دریا آبادی چاہتے ہیں، ہم اس کو قطعی طور سے موقوف و محل کے خلاف سمجھتے ہیں۔ خصوصاً جب کہ مولانا مودودی کی عبادت اس سے بھی زدتر ہی ہے بلکہ حدیث شریف میں جو یہ آتا ہے لاینبغی لمومن ان ینذل نفسه (مومن کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے) ایسے ہی موقوف کے لئے ہے۔ غضب تو یہ ہے کہ بایزید بسطامی رحمة اللہ علیہ کی طرف تو یہ جملہ بھی منسوب ہے منکی اعظم من ملک اللہ (امیر ملک اللہ کے ملک سے بڑا ہے) اور اس کی وہ بہترین توشیح صوفیانہ نقطہ نظر سے کہتے ہیں کہ ساری چیزیں تو اللہ کی ہیں اور اللہ ہمارا ہے، اس لمحہ خالق بھی ہمارا اور اس کے واسطے سے مخلوق بھی ہماری، مگر اللہ کے لئے تو صرف اس کی مخلوق ہے، کیونکہ خالق تو وہ خود ہی ہے۔ حضرت تمھارا تو کلام مرحوم "دعواتِ عبادیت" میں اسے نقل کر کے لکھتے ہیں:-

"یہ بڑے لوگ تھے یہ بات انھیں زیب دیتی ہے ہم کو نہیں"

اس کے لیے ایک شعر بھی پیش کیا ہے

نازار دے بیابا بچھو دو چوں نارای گرد بد خوئی گد  
 لانا کے لئے گلاب جیسا چہرہ چاہئے، بد صورتی کے ساتھ ناز  
 بد اخلاقی ہوگی)

میں نہیں سمجھتا کہ آخر مولانا مودودی نے کو نسا ایسا جملہ اس سے سخت کہہ دیا۔ اصل بات یہ ہے کہ بایزید آج کے عالم نہیں اس لئے معاصروں نے چیٹنگ و رقابت سے محفوظ ہیں، مگر مولانا مودودی کی "پیشگی" وہ اس زمانہ میں ہیں اور تفسیر کر کے والے ان کے معاصر ہیں تو بھلا انصاف کیسے ہو؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ زمانے ہیں:-

"علا سے تم صرف دین کے مسائل پوچھو اور جب وہ ایک دو سکر برا ظہان خیال کریں تو اس کو مت مانو"

انھوں نے بھی اشارہ اسی ہمصری کے فتنے کی طرف کیا ہے۔ مولانا دریا آبادی سے ہمیں بدلتی ہرگز نہیں کہ انھوں نے

مولانا منظور نعمانی کا جدیدہ "الفقران" نہ دیکھا ہو۔ مولانا نعمانی اس میں اپنی ذات پر احسانات خداوندی کی وضاحت کرتے ہیں، اور عنوان ہے "سختی بیعت نعمت" کا۔ آخر اسی سے کچھ چیلے لیکر موقوف و محل سے الگ کیے گئے دیکھیں تو بات مولانا مودودی سے بہت آگے پہنچتی ہے۔ اسکے باوجود ہمارے کسی بھی اکابر کی عقیدت کو صدمہ نہیں پہنچتا ہے، مگر ہم باتیں نہیں کہ مولانا نعمانی نے مولانا مودودی ہی کی طرح وہ باتیں جس موقوف و محل سے کی یا دل کو بھاتی ہیں اور عمل کا جذبہ پیدا کرتی ہیں۔ دور نہ جانیے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا مطلقنا اللہ بطول جباتہ کے لمفوظاتنا "ساعتے با اولیاء" کے نام سے شاہ جو چکلے ہیں اور ضرور مولانا دریا آبادی نے دیکھے ہوں گے۔ اس کے چالیس صفحات تک دیکھ جائیے کیسے کیسے زندگی کے حالات انھوں نے بتاتے ہیں رمضان میں قرآن اور عبادتوں کا معمول، حج و عمرہ کا عہد میں تازہ پھر وہ حج و عمرے جو لوگوں نے ان کی طرف سے کئے ہیں ہزاروں تکتے پہنچتے ہیں۔ آخر ان باتوں کو ان کے موقوف و محل سے اگر مٹا دیا تو وہ خود فناک قسم کی تغلی اور محض بن جائے۔ مگر ہم اتنے ہیں کہ شیخ الحدیث، نطلہ العالی نے جو کچھ فرمایا دلوں کو متاثر کرنا ہے جاریہ عمل اور شوق عبادت پیدا کرتا ہے۔ موقوف و محل کے لحاظ سے انھوں نے کوئی ایسی بات نہیں فرمائی جو کثرت و سختی کہی جا سکے علی میاں ناروی، طلب کے کچھ جملے کھنڈو کے جلسہ میرت کے موقوف سے آچکے ہیں جنھیں اگر الگ کر دیکھیں تو مولانا دریا آبادی کی تفسیر وہاں چسپاں ہو جائے یعنی "بے موقوف و محل خوانی" آخر مولانا علی الحق رولوی کے متعلق جو اچھے اور خراب یہ بزرگ تھے حضرت مخافوی مرحوم نے ان کا یہ جملہ نقل کیا۔ "منصور زچہ بود کہ زیک قطرہ خردش آمد و اینہا مردانہ کہ دریا بار فروردندہ و آہ و رخ بزد"۔ بیجا منصور جس نے انالحق کہا تھا وہ بچہ تھا کہ ایک قطرہ معرفت الہی کا پیا اور جلانے لگا۔ اور یہاں تو جو امر وہیں کہ دریا کا دنیا پی گئے اور ڈکا زنگ نہ لی" را التبلیغ حصہ ص ۱۰۱ آخر یہ سب جملے جو مذکور ہوئے ان سے نہ عقیدت کبھی مجرد ہوئی نہ ہوگی۔ ان سب جملوں کو ہم حقیقت حال اور واقعہ چرخوں کہتے ہیں مگر مولانا مودودی کے سلسلہ میں ہم نے قسم کھالی ہے کہ جہاں بھی ان کی زبان سے ص

میں نے مولانا مودودی کی عبادت و شوق عبادت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

## وحی کی قسمیں

ہے یا اللہ کا حکم ہے یا ازواج مطہرات میں سے کسی بیوی نے دوسری بیوی سے کوئی راز کی بات کہہ دی تھی۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان سے فرمایا کہ اس کے پھیلانے کی کیا ضرورت تھی۔ تو زوجہ طہرہ حیران رہ گئیں اور بولیں، آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ حضور نے فرمایا کہ مجھے اللہ نے معلوم کر لیا ہے۔ حضور کے جواب طلب فرمانے اور زوجہ طہرہ کے حیران رہ جانے اور حضور کے اس ارشاد کا کہ مجھے اللہ نے خبر دی ہے۔ قرآن مجید میں اندراج ہے۔ لیکن کب خبر دی تھی اور کن الفاظ میں خبر دی تھی اس کا قرآن مجید میں اندراج نہیں۔ بہر حال وہ وحی بھی رسولوں کے ساتھ مختص تھی۔ پہلی کا نام وحی متلو ہے۔ دوسری کا نام وحی غیر متلو۔ جن غیر متلو وحیوں کے متعلق علماء امت کا اجماع ہو چکا ہے کہ ان میں شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ وہ وحی متلو ہی کی طرح واجب التعمیل ہیں۔ مثلاً ساز کے متعلق وحی متلو قرآن میں مجمل حکم ہے۔ ساز کی تفصیلات وحی غیر متلو (احادیث) میں ہیں۔ نماز کے طریقہ اذنی کی کا حقیقت سا اختلاف اہمیت دینے کی تہ نہیں ہے۔ باقی تفصیلات اسی طرح یقینی ہیں جس طرح قرآن یقینی ہے۔

کسی بات کا یقین کامل ہو کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کہی ہے یا کی ہے اس کا وہی مرتبہ ہے جو حضور کے اس قول کا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ قرآن کو کلام اللہ ہم نے حضور کے بیان سے مانا ہے۔ حضور کے جتنے اقوال اور افعال اس قدر یقینی ہوں جس

وحی کے لغوی معنی ہیں اشارہ، جو انتہائی شرف سے کیا جائے۔ کن فیکون کی شان کا اشارہ۔ قرآن مجید میں انبیاء پر وحی نازل کرنے کا بھی ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ نے غیر انبیاء، بلکہ غیر انسان سے بات کی ہے تو اسے بھی وحی کہا ہے۔ اس کے لئے وحی کا لفظ ہی استعمال فرمایا ہے۔ غیر انبیاء میں مثلاً ”ہم نے موسیٰ کی والدہ کو وحی کی کہ موسیٰ کو (برابر) دودھ پلاتی رہو اور جب تمہیں موسیٰ کی جان خطرے میں نظر آئے تو انھیں (صندوق میں بند کر کے) دریا میں ڈال دو اور بالکل نہ گھبراؤ اور غمگین مت ہو۔ ہم انھیں تم سے پھر ملا دیں گے اور انھیں (اپنا) پیغمبر بنا دیں گے۔“ (سورہ ۲۸ آیت ۷) غیر انسان میں مثلاً آپ کے رب نے شہد کی ٹھکی کو وحی کی کہ چھتہ فلان فلاں جاگہ رکھ اور شہد یوں تیار کر۔ سورہ ۶۸ آیت ۶۸، ۶۹) انبیاء والی وحی ان وحیوں سے قطعی مختلف تھی۔ ہم ان وحیوں کی بابت بھی قیاس نہیں لڑا سکتے کہ حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ کی ماؤں کو وحی کس طرح کی گئی تھی۔ یا شہد کی ٹھکی اور زمین و آسمان اور فرشتوں کو وحی کس طرح کی جاتی ہے اور کی جاتی رہے گی۔ اور انبیاء والی وحی کا سمجھنا بھی غیر انبیاء کی قدرت سے باہر ہے۔ سوائے اس کے جتنا کہ قرآن وحدیث نے بتا دیا ہے۔ جو وحی پیغمبروں کے ساتھ مختص تھی اور جو پیغمبروں کی وجہ امتیاز تھی۔ اسی دو قسمیں ہیں۔ ایک وحی قرآن و انجیل و توریت وغیرہ صحیفوں کی شکل میں نازل ہوئی اور ایک وحی وہ ہے جسے صحابہ پوچھا کرتے تھے کہ یا رسول اللہ! یہ آپ کی رلے

نہیں سکتا تو وہ محل غور ہو گا۔ معترض صحابیوں کی روایات کو برکھنے کی بھی محدثین نے انتہا کر دی تھی۔ جن کی بابت پتہ لگا کہ فقہہ نہیں تھے۔ یا ان کی روایات میں الجھاؤ ہے، یا ان سے قیاس پر ضرب پڑتی ہے تو محض صحابی ہونا ائمہ حدیث کے لئے کافی نہیں تھا۔ محدثین کے کام کے تصور سے انسان چکراتا ہے۔ لاکھوں حدیثوں کا جمع کرنا اور پھر ایک ایک حدیث کو ٹولنا کہ یہ صحیح ہے یہ متواتر مشہور، منقطع، یہ مرسل، یہ معنی یہ مبہم، یہ احاد، یہ غریب مطلق، الفاظ کہاں سے لاؤں کہ محدثین کی کاوش کا نقشہ کھینچ دوں۔ اس ذخیرے کی جھٹائی کی جائے اور "بینگن کھانے سے ہر مرض جاتا رہتا ہے" قسم کی حدیثوں کو الگ کر دیا جائے تو واقعہ یہ ہے کہ محدثین ہیں حضور کے اقوال اور روایتوں (Rulings) کی شکل میں حکمت اور مواعظ کا خزانہ عطا کر گئے ہیں۔

**جائزہ تراجم قرآنی** دنیا میں کب اور کس زبان میں قرآن تفصیل مترجمین اور شارحین کے نام۔ بہت عمدہ اور معلوماتی کتاب ہے۔ قیمت سسہ چار روپے۔  
**انکھوں کی ٹھنک** اللہ کے سوا کوئی حاضر و ناظر نہ نکھوں کی ٹھنک نہیں۔ جو مسلمان اس غلط خیال کا شکار ہیں کہ رسول اللہ بھی حاضر و ناظر ہیں۔ ان کے خیال کی دلیل ترمذیہ۔ قرآن و حدیث کے روشن دلائل فقہاء و مجتہدین کے مستند حوالے۔ مجلد چھ روپے  
 مکتبہ تجلی۔ دیوبند (دیوبند)

تجلی کا ہر خاص نمبر  
 سالانہ خسریہ ارووں کو مفت  
 دیا جاتا ہے۔

قدر یہ قول ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے یا جس قدر یہ عمل یقینی ہے کہ حضور نے مغرب کے فرضوں میں ہمیشہ تین رکعتیں پڑھیں۔ حضور کے ایسے اقوال اور افعال مثل قرآن واجب العمل ہیں۔ لیکن ہر قول اور ہر فعل ایسا یقینی نہیں ہے۔ بزرگان سلف سے حضور کے ایک ایک قول اور فعل کی روایتوں کو برکھا ہے اور لکھ دیا ہے کہ روایت صحیح ہے یا غلط۔ صحیح ہے تو صحت کس پائے کی ہے۔ مینار روایتیں غلط ہیں ان کا ریکارڈ یوں باقی رہ گیا ہے کہ اول صحیح اور غلط تمام روایتوں کو جمع کر لیا تھا اور پھر ان کی چھٹائی کی تھی۔ غلط روایتوں کے ریکارڈ کی ویسے بھی ضرورت تھی کہ غلط روایتیں اور نہ پڑھیں مگر اب غلط روایتوں کے باقی رہنے کی ضرورت نہیں ہے اب غلط روایتوں کا باقی رہنا دعاگوں کو پریشان کرتا ہے اہل علم غور فرمائیں کہ غلط روایتوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔  
 محدثین حدیثوں کے معتبر و غیر معتبر ہونے کے چند اصول مقرر کر گئے ہیں۔ محدثین کی کسوٹی پر غیر معتبر حدیثوں کو کسے۔ محدثین کے نزدیک وہ حدیث غیر معتبر ہے (۱) جو قرآن مجید کے خلاف ہو (۲) جو احادیث متواتر کے خلاف ہو (۳) جو عقل کے خلاف ہو (۴) جو مشاہدے اور محسوسات کے خلاف ہو (۵) جو نبیوں کے شایان شان نہ ہو اور جس میں رکاکت ہو (۶) جو ایسے معاملے کے متعلق ہو جسے تمام صحابہ کو جاننا چاہیے تھا۔ مگر اس کی روایت صرف ایک صحابہ کر رہے ہیں (۷) جن میں سنہ اور تاریخ کے ساتھ پیشین گوئی ہو (۸) جس میں معمولی قصور پر عظیم سزا اور معمولی نیکی پر عظیم انعام دیا جا رہا ہو۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت محمود بن الربیع پانچ برس کے تھے اُنکی روایت ہے کہ حضور نے پیار سے میرے منہ پر کھلی کر دی تھی۔ پانچ برس کا بچہ اتنی بات یاد رکھ سکتا ہے اور بات ایسی ہے کہ مان لینے میں نقصان نہیں ہے۔ چنانچہ مان لیا گیا ہے لیکن یہی صحابی کوئی ایسا واقعہ سنائیں جسے پانچ برس کا بچہ سمجھ

## ایک دردمند دل کی پکار

موجودہ دنیا میں "اسلام" نبیؐ نے تبلیغی مذہب کی یہ کہہ کر بنیاد رکھی تھی کہ "تم حسین ترین امت ہو اس لئے کہ تم بھلائیوں کو نافذ کرتے ہو۔" نبیوں کی راہ بند کرتے ہو اور اللہ پر یقین کامل رکھتے ہو۔" لیکن واقعہ یہ ہے کہ آج ساری دنیا میں اگر کوئی غیر تبلیغی مذہب ہے تو وہ اسلام ہی ہے! عیسائیت آج اپنا پیغام ساری دنیا کی قوموں کو ان کی اپنی زبان میں اس طرح پہنچا رہی ہے کہ اگر کسی کا پتہ اسے مل جاتا ہے تو فوراً اس کا لٹریچر بلا قیمت آنا شروع ہو جاتا ہے۔ حدیث ہے کہ آج دور افتادہ امریکہ میں بدھ مت اور ہندو مت کے تبلیغی مراکز قائم ہو رہے ہیں اور ہر سال کے مذہب اور ان کے اصحاب خیر اپنی دولت اس ہم میں جھونک کر ان کے اصحاب قلم کو مفت لٹریچر پھیلانے میں بھرپور تعاون دے رہے ہیں اور ہمارا اپنا حال یہ ہے کہ ہماری تبلیغ کی ساری دُور دُھوپ مسجد تک محدود ہو کر رہ گئی یا پھر راہ نئے مسلمانوں کے لئے آردو ہندی میں کچھ رسالے نکالنے اور کتابیں چھاپنے سے شروع ہو کر وہیں ختم ہو گئی۔ اسلام سے محروم اور ناواقف انسانیت کا پورا سمندر ہماری تبلیغی رسائی سے دُور ہے۔ ہمارے پاس کوئی ایک بھی ایسا ادارہ نہیں جو مختلف قوموں کی نفسیات کے مطابق ان کی اپنی زبانوں میں مفت لٹریچر شائع کرنا اور تقسیم کر سکتا ہو۔

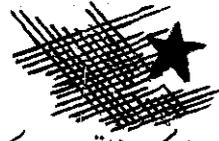
خدا کا کس طرح شکر ادا کیا جائے کہ اس نے انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں ہندی میں اسی مقصد کے لئے اپنا نامہ "مارک دیپ" نکالنے کی توفیق بخشی اور بہت جلد اس کو ان دردمندان انسانیت کی بارگاہ میں بار بار پائی اور اس مقصد کی پکار بلند کرنے کی راہ دکھائی۔

اب — ہم اس حقیر آواز کے ذریعہ ان تمام انسانوں کو ان کے عظیم ترین مسرور کی پکار سنارہے ہیں کہ جو کل ساری دنیا کے معبود حقیقی سے ملاقات کے دن اس معاملے میں سرخ روئی کی خوشی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس مقدم ترین کام میں تعاون کر کے اپنے نامہ اعمال کو ایک بلند ترین نیکی سے آراستہ فرمائیں۔ اعزازی خریداری کی رقم پانچ سو روپے سالانہ سے ستو روپے سالانہ تک — عام خریداریوں کی رقم محض پانچ روپے سالانہ رکھی گئی ہے جو تقریباً لاکھ کے بقدر ہے۔ اس لئے کہ اس رسالہ سے ہمارا مقصد اس سرائے فانی میں دولت کے ڈھیر لگا کر مرجانا نہیں ہے۔ و باللہم التوفیق!

(پچاس پیسے کے ٹکٹ بھیج کر نمونہ طلب فرمایا جا سکتا ہے)

ایڈیٹر ماہنامہ مارگ دیپ روشنی پبلشنگ ہاؤس، جسرو باغ روڈ، رام پور (یوپی)

تجلی اپنے ذاتی علم کی روشنی میں اس "پکار" کے قارئین کو اطمینان دلاتے ہیں کہ اقلتہً یہ "پکار" ہی ہے کوئی کاروباری ٹکنگ نہیں۔ "مارگ دیپ" نکالنے والوں سے ہم واقف ہیں اور تمام برادران اسلام سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ حسب مقدور ان کے کام میں تعاون فرمائیں تاکہ غیر مسلمین میں تبلیغ کا زیادہ سے زیادہ حق ادا کیا جاسکے۔ فاضل دولت والے مسلمان بھائیوں کے لئے یہ معمولی ثواب کا اچھا موقعہ ہے۔



تفسیر ماجدی پر اس مذکرہ کتابصرے کی دوسری قسط ماہ گذشتہ (ایمان نمبر) میں آچکی ہے۔ اصولاً اسے ایسے مقام پر ختم ہونا چاہئے تھا جہاں جملہ پورا پورا ہو گیا ہو، لیکن ہوا یہ کہ عین اس وقت جب کتابیں پریس جارہی تھیں کتابت شدہ مضمون مطلوبہ صفحات کی گنجائش سے کچھ زیادہ معلوم ہوا لہذا تھوڑا حصہ الگ کرنا پڑا اور یہ اہتمام نہ ہو سکا کہ قسط مناسب جگہ ختم ہو، چنانچہ نہ صرف ادھورے جملے پر ختم ہوئی بلکہ وہاں ”باقی آئندہ“ جیسا کوئی لفظ بھی لکھنے سے رہ گیا۔

پرانے قارئین تو پیش نظر قسط کا سلسلہ یہ آسانی ایمان نمبر سے ملا لیں گے لیکن ہر ماہ جو نئے قاری اللہ کی مشیت تجلی کے لئے جہیا کرتی ہے وہ دشواری میں پڑ جائیں گے کہ یہ گفتگو کیا ہو رہی ہے۔ چنانچہ ان کی تفہیم کیلئے سلسلہ گفتگو کی کچھ وضاحت کی جاتی ہے۔

بات یہ ہو رہی تھی کہ امام رازمیؒ بھی گناہ کار مومنین کے لئے عذاب ناز کو ممکن سمجھتے ہیں اور یہ برائے ان کی ہرگز نہیں ہے کہ مومنین کوئی بھی گناہ کرے وہ اس کے لئے قطعاً مضر نہیں۔ اس کے ثبوت میں ہم نے تفسیر ماجدی ہی کے ص ۲۳۲ سے ایک عبارت نقل کی تھی۔ اس کے بعد لکھا تھا۔

”ص ۲۳۶ پر امام رازمیؒ کا یہ ارشاد نقل ہے“

پس پیش نظر قسط اسی ارشاد رازمیؒ سے شروع ہو رہی ہے۔

## تفسیر ماجدی

— (د ۳) —

مولانا عبد الماجد دریا مادی مدظلہ کی  
تفسیر جلد ثانی پر تبصرے کی تیسری قسط

”احتجج اصحابنا بهذا الآية على انما  
تعالى يخرج من الناس من قال لا اله الا  
الله على سبيل الاخلاص“

یعنی امام رازی اور ان کے اصحاب جلیل یقیناً مانتے ہیں کہ  
مومن کو بھی ان کے گناہوں کی پاداش میں داخل نہ کیا جا  
سکتا ہے۔ ص ۳۱ پر۔ آیت ۳۲ کے تحت امام رازی کا یہ  
ارشاد بھی نقل ہے الآية دالة على ان العوض من لافاسق  
لا يبقى مخلداً اذنى الناس، یعنی آیت اس پر دلالت کرتی ہے  
کہ فاسق مومن ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا، اس سے ظاہر  
ہے کہ گناہوں کی وجہ سے مومن کا عارضی طور پر جہنم میں جانا  
وہ بالکل ممکن سمجھتے ہیں۔

صفحہ ۲ پر امام رازی کا یہ فرمودہ نقل ہے:-

”توبہ کی قبولیت اللہ کے ذمہ کچھ واجب نہیں  
ہے۔“

غرض یہ بات امام رازی اور جہاں علماء حق کے درمیان  
مسلمات میں سے ہے کہ گناہ خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے اپنی  
ایمان کے لئے مضر ہیں اور بعض گناہوں پر تو عذاب نار  
سے بھی سابقہ پیش آسکتا ہے۔ لہذا ایسا کوئی نوٹ نہ کرنا  
ہونا چاہیے جس سے یہ سمجھ میں آتا ہو کہ ایمان کے بعد کوئی  
بد عملی اور عصیان شعاری مضر ہے ہی نہیں۔

(۷) آیت نمبر ۲۴ فقالتن في سبيل الله الآية کے ذیل میں  
جو نوٹ ہے اس میں ذرا سا خلا رہ گیا۔

”مسلمانوں کا سپہدار اعظم یہ رنگ دیکھ کر تنہا  
چل کھڑے ہوئے پر آمادہ ہو گیا“

اس سے صرف آمادگی کا پتہ چلتا ہے حالانکہ حضور صرف  
آمادہ ہی نہیں ہوئے تھے۔ کچھ صحابہ سمیت میدان بدر میں  
پہنچ بھی گئے تھے۔ اسے سیرت نگار بدر ثانی یا بدر صغریٰ  
لکھتے ہیں۔

صفحہ ۹۹ کے تفسیری نوٹ میں ایک لفظ کی کتابی غلطی

خاصی بھی نچھلوا لتجبة اسماء للاسلام یہاں للاسلام  
ہونا چاہئے۔ اسی طرح ص ۱۱ پر ”اندرازی“ سے کوفت ہوتی  
”اندرازی“ لکھا گیا ہوگا۔

(۸) آیت ۱۱۳ میں وَعَلَمَكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُ کا مطلب  
تفسیری نوٹ میں یہ دیا گیا ہے۔

”یعنی جو علوم عالیہ آپ پر قبل نبوت و نزول قرآن  
منکشف ہو گئے۔“

اس کے لئے کوئی حوالہ نہیں دیا گیا۔ ہم نے بہت تجسس کیا لیکن  
ہمیں اس کا ماخذ نہیں مل سکا۔ نبوت سے قبل آپ پر علوم  
نازل ہوئے ہوں اس سے نہ صرف حدیث و انوشس ہے  
بلکہ اس کی تردید کرتی ہے۔ قرآن کا وَجَدْنَا ضَلَالًا  
قبل نبوت ہی کے لئے ہے اور پہلی وحی کے نزول پر آپ کی  
کیفیات جو بخاری کی صحیح ترین روایات میں بیان ہوئی  
ہیں اس سے ابا کرتی ہیں کہ آپ قبل نبوت علوم عالیہ سے  
بہرہ یاب ہوئے ہوں۔ غار حرا میں آپ کی خلوت نشینی  
اور اضطراب و تجسس بھی عدم علم ہی کا منظر تھا۔ پھر خدا  
جانے فیاض مفسر نے کونسے علوم عالیہ مراد لئے ہیں۔ جتنی  
تفسیریں ہمارے سامنے کھلی ہیں ان میں تو اس کی تائید کیا  
اس کی طرف اشارہ بھی نہیں اور قول مرجوح کی خندیت سے  
بھی کسی نے ایسا نہیں کہا۔

امام رازی جن کی تفسیر سے صریح مفسر نے بیش بیش از  
بیش فائدہ اٹھا ہے تمام ممکنہ تاویلات جمع کرنے میں تیار  
شان رکھتے ہیں مگر اس تاویل کا اشارہ تک ان کے یہاں  
نہیں۔ علامہ آلوسی جن کی نظر تمام قدیم تفسیر پر ہے اور عربی  
تفسیر میں ان کی روح المعانی کے بعد اس قدر بسط اور تفسیر  
تفسیر کوئی نہیں ان کا حال یہ ہے کہ وَعَلَمَكَ کی تفسیر بانواع  
الوحی کے الفاظ سے کرتے ہیں۔ معلوم ہے کہ قرآن سے قبل رسول  
اللہ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی۔ حتیٰ کہ وحی غیر منطوقی کا  
بھی کوئی ثبوت نہیں۔ اس کے بعد وہ مَا كُنْتَ تَعْلَمُ  
کی تفسیر میں گونا گوں فقرے لاتے ہیں۔ یعنی امور مخفی اور ضمائر  
صدر اور مرکبوں کے کید و مکر کا استیصال کرنے والے علوم۔

یا اور دین اور احکام شیعہ جیسا کہ حضرت ابن عباس سے منقول ہے۔ یا خیر و شر کی تمیز و شعور جیسا کہ ضحاک سے منقول ہے۔ یا اولین و آخرین کی خبریں۔ یا یہ سبھی چیزیں۔ مگر یہ قول تو کسی نے بھی نہیں کیا کہ اس آیت سے ان علوم معارف کی طرف اشارہ ہے جو قبل نزول قرآن اور قبل نبوت آپ کو دیکھے گئے۔ بعض نے واو کو تفسیری و شرحی مان کر یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ کتاب و حکمت کے اسرار و حقائق مراد ہیں۔ ہماری ناچیز رائے میں واو تفسیری بھی ہے اور حکمی بھی یعنی:-

”اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کی اور وہ علم دیا جو تمہیں حاصل نہیں تھا۔“

”حکمت“ میں وہ ساری چیزیں آجاتی ہیں جن کا تعلق وحی غیر متلو سے ہو یا حضور کی مصفا اور منور قوت مدبرکہ یا شعور و عقل سے۔ بہر صورت ان سب کا محل بعد نبوت ہے نہ کہ قبل نبوت۔

(۹) آیت ۱۲۴ کے ترجمہ و تفسیر میں بھی ایک لطیف و غامض بحث ہے۔ بطور مذاکرہ علی اسے بھی لیجئے۔ سورہ نساء کے آغاز میں اللہ نے فرمایا تھا کہ تم اگر یتیم بچوں سے نکاح کر کے ان کے حقوق نہیں دیتے تو بہتر ہو گا کہ ان سے نکاح مت کرو بلکہ اگر جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان میں سے ایک یا دو یا تین یا چار سے نکاح کر لو۔

اس پر اکثر مسلمانوں نے یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنا چھوڑ دیا تھا۔ پھر تجربات نے بتلایا کہ متعدد صورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ یتیم لڑکی سے اس کے سرپرست ہی کا نکاح کر لینا بہتر ہوتا ہے تو صحابہ نے اس کی اجازت چاہی اس پر آیت ۱۲۴ نازل ہوئی:-

”اے پیغمبر! اور تم سے نصرت مانگتے ہیں عورتوں کے نکاح کی، کہہ دے اللہ تم کو اجازت دیتا ہے ان کی اور وہ جو تم کو سنایا جاتا ہے قرآن

میں سو حکم ہے ان یتیم عورتوں کا جن کو تم نہیں دیتے جو ان کے لئے مقرر کیا ہے اور چاہتے ہو کہ ان کو نکاح میں لے آؤ۔ اور حکم ہے ناناؤں لڑکوں کا اور یہ کہ قائم رہو یتیموں کے حق میں انصاف پر۔“

یعنی اللہ تعالیٰ یہ سمجھا رہا ہے کہ پہلے جو یتیم لڑکیوں کے بجائے دوسری عورتوں سے نکاح کی تلقین کی تھی وہ تو اس وجہ سے تھی کہ ان لڑکیوں کی حق تلفی نہ ہو لیکن اگر تم حق تلفی نہیں کرتے بلکہ انہیں نکاح میں لاکر مناسب ہمارا اور مناسب ناناؤں لڑکیوں کو بھی کر دیتے ہو تو پھر کوئی جرم نہیں ان سے نکاح کر لینے میں۔

اب یہاں الفاظ یہ نازل کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو تو نصرت مانگتے ہیں و تدرعون ان تشرکوا۔ گفتگو اس کے ترجمے میں ہے۔ سر غیب یوسف بے شک متفہم معنی میں آتا ہے۔ سر غیب غنہ کا مطلب دروغت خواہش اور سر غیب غنہ کا مطلب گریز و نفرت۔ یہاں تو غیبوں کے بعد نہ فی ہے نہ عن ایذا بجا طور پر مفسر کا حق ہے کہ وہ فی محذوف مان کر خواہش و رغبت کے معنی لے یا عن محذوف مان کر گریز و نفرت کے۔ فاضل مفسر نے دوسری شکل پسند کر کے ترجمہ یہ کیا ہے:-

”جنہیں وہ نہیں دیتے جو ان کے لئے مقرر ہو چکا ہے اور اس سے بیزار ہو کہ ان سے نکاح کرو۔“

اس موقع پر مولانا اشرف علی ان کے ہمراہ ہیں اور مولانا مودودی بھی۔ البتہ مولانا مودودی نے یہ احتیاط برتی ہے کہ اسی بیزارگی والے مفہوم کو مقدم نہ کر کے کہیں دوسرا مفہوم بھی لکھ دیا (لا لاج کی بنا پر تم نردان سے نکاح کر لینا چاہتے ہو) سلف میں حضرت ابن عباس اور ابن ابی بھریم اور مفسر طبری بھی ان کے ہمراہ ہیں۔ نیز فاضل مفسر نے خود بھی وضاحت کی ہے کہ اکابر کی ایک جماعت فی محذوف مان کر خواہش و میلان کا ترجمہ کرتی ہے۔ لہذا بحث اب اس قدر ہے کہ موصوف نے جس ترجمے کو فوقیت دی وہ اقرب الی اللہ و اقرب الی الناس ہے۔

ہماری ہم ناهیں یہ کہتی ہے کہ دلیل نہ امام قرطبی کی

عائد نہیں ہو سکتا کیونکہ اس الزام کا مورد شوہر ہی ہو سکتا ہے نہ کہ نکاح سے بیزار مسریرست۔

جو حضرات تو بخوبی کے معنی بیزاری و گمراہی کے لے رہے ہیں وہ ماکتبہ لھنؤ سے ترکہ اور ہر دونوں مرا لیتے ہیں اور اس طرح ان کی بات کسی حد تک قابلِ تہمیم ہو جاتی ہے۔ یعنی ہر کی صورت میں تو مطلب یہ بناتے ہیں کہ نکاح تو کرنے پر آمادہ ہو مگر مناسب ہر نہیں دینا چاہتے اور ترکہ کی صورت میں یہ کہ نہ انھیں ان کا ترکہ دیتے ہوں نہ خود ان سے نکاح کرتے ہو۔

مگر کیا واقعی اس طرح بات بن گئی! — ہمارا خیال ہے کہ نہیں بنی۔ تہیموں کا ترکہ انھیں نہ دینا بلا شبہ ظلم ہے لیکن تہیم لڑتی سے شادی کی خواہش نہ رکھنا تو کوئی جرم نہیں۔ یہ جرم اسی صورت میں بنتا ہے کہ نہ خود شادی کر دو نہ دوسروں سے کرنے دو لیکن یہ دونوں مفہوم ایک وقت ایک ہی فقرے سے کہے سہا ہوں گے۔

تنگی جو اتلائی مجرد میں فرمایا گیا ہے۔ تنگی (ادباً افعال میں) نہیں فرمایا گیا۔ اگر تنگی جو فرمایا جاتا تو بے شک یہ معنی ہو سکتے تھے کہ تم ان کا نکاح دوسری جگہ بھی نہیں کرنا چاہتے۔ لیکن بصورتِ موجودہ اس کا کیا نحو ہی جواز ہے۔ ہاں خود ان سے شادی کرنا اس صورت میں جرم بن جاتا ہے جب مناسب ہر نہ دو۔ لہذا حضرت عائشہؓ کی رائے کے مطابق مکتبہ لھنؤ کو بجائے ترکہ کے صرف ہر تک محدود رکھ کر ہی مفہوم ہر طرح کی چھپ گئی سے صحیح سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلیہ السلام و التم۔

(۱۰) آیت ۱۳۳: اِنْ يَتَنَبَّأْ بِشَيْءٍ مِنْكُمْ اَيْحَا النَّاسُ وَايَاتِ الْاٰخِرٰتِ الْاٰتِيَةِ۔

”اگر چاہے تو اے لوگو تم (میں سے) کوئی شے نہ کہو“

اور دوسروں کو لے آئے۔“

اس پر نوٹ یہ دیا گیا:۔

”آخرین یعنی نوع انسان کے علاوہ کوئی اور ہی نبی مخلوق۔“

قوی نہ مولا نامودودی کی نہ فاضل مفسر کی۔ اور رائے یہاں شاہ عبدالقادر، حضرت شیخ الہند اور علامہ غنائی کی اقرب الی الصواب ہے جو جی محذوف مان کر خواہش و رغبت کا ترکہ کرتے ہیں۔

امام قرطبی استدلال لاکتے ہیں کہ عن کے حذف پر حدیث عائشہؓ قوی دلائل ہے۔ حدیث عائشہ ہی سے فاضل مفسر نے بھی اور مولا نامودودی نے بھی استدلال فرمایا۔ فرق یہ رہا کہ فاضل مفسر نے صرف اجمالاً امام قرطبی کے اعتماد پر حدیث عائشہ کا ذکر کر دیا اور مولا نامودودی نے حدیث عائشہ کو مفصلاً پیش فرمایا۔ حدیث سنداً صحیح ہے لہذا کوئی وجہ نہیں کہ اسے رد کیا جاسکے۔ لیکن ہمارے ہاتھ علم کی حد تک اس حدیث کا تعلق زیر تہمیم کرہ آیت سے ہے ہی نہیں بلکہ سورہ نسا کی اس آیت سے ہے جس کا ذکر ہم نے پیچھے کیا یعنی وہ جس میں تہیم بچیوں سے نکاح کو منع کر کے دوسری عورتوں سے نکاح کی تلقین کی گئی ہے۔ (آیت نمبر) ری زیر تہمیم کرہ آیت تو اس کے متعلق علامہ آؤسیؒ روح المعانی میں حضرت عائشہ صدیقہ کی رائے نقل فرماتے ہیں کہ آیت کے فقرے ماکتبہ لھنؤ کے بارے میں حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ ماد جب لھنؤ من الصدقات (یعنی جو ہران عورتوں کے لئے اللہ نے فرض قرار دیا ہے) جب انھوں نے ایسا فرمایا تو اب فقرے کے معنی پر غور کیا جائے۔

”وہ عورتیں جن کا ہر تو تم دیتے نہیں اور چاہتے ہو کہ ان سے نکاح کر لو۔“

یہ معنی بے غبار بھی ہیں اور جہتہ بھی۔ لیکن اگر یوں کہیں کہ:

”وہ عورتیں جن کا ہر تو تم دیتے نہیں اور اس سے

بیزار ہو کہ ان سے نکاح کرو۔“

تو فقرہ بے جوڑ اور پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ ہر نہ دینے کو ایک ظلم کی حیثیت سے بیان کرنا اسی وقت قابلِ تہمیم ہے جب مخاطب نکاح کا خواہشمند ہو۔ اگر نکاح سے وہ بیزار ہے اور نہیں اور بھی تہیمہ کا نکاح کرنا نہیں چاہتا تو یہ ایک ظلم سہی لیکن ہر نہ دینے کا الزام ہر حال اسپر

ہم یہاں بھی حیرت کریں گے کہ شاہ عبدالقادر رشتیؒ نے علامہ عثمانیؒ کو مرشد تھا تو ہی اور مولانا مودودی کوئی ایسا نہیں کہتا۔ یہ سب حضرات آخرین سے مراد ”دوسرے لوگ“ لیتے ہیں۔ یعنی نوع انسانی ہی کے دوسرے افراد نہ کہ انسان کے علاوہ کوئی مخلوق۔

ممدوح نے بیضاوی کا حوالہ دیا۔ چلئے ٹھیک ہے قاضی بیضاوی کی ہی رائے ہوگی۔ لیکن اس کے بعد روح المعانی کا جو حوالہ دیا گیا وہ چونکا دینے والا ہے۔ ”جو ان الزمخشری و ابن عطیة و مقلدا و ہما ان یکون المراد جنساً غیر جنس الناس“ (یعنی زمخشری اور ابن عطیہ اور ان دونوں کے مقلدین یہ جاننا ضرور رکھتے ہیں کہ ممکن ہے شرآن کی مراد انسان کے علاوہ کوئی جنس ہو) اس فقرے پر نوٹ کو ختم کر دینے کا مطلب ہر شخص ہی سمجھے گا کہ حصار روح المعانی کی اپنی ہی رائے ہے اور اپنی رائے کے ثبوت ہی میں وہ کچھ گواہیاں پیش کر رہے ہیں۔

لیکن امر واقعہ جو کچھ ہے وہ بالکل اور ہے اور سمجھ میں نہیں آتا کہ مؤرخ غمگین یہاں اپنے لکھے پر کیسے مطمئن ہو گئے۔ صاحب روح المعانی تو آیت کے متصل بعد دو ٹوک لفظوں میں اپنی رائے یہ بیان دیتے ہیں کہ ای وجوداً مکانہم دفعة قوماً آخرین من البشر یعنی اے لوگو اللہ اگر چاہے تو تمہاری جگہ جنس بشر ہی میں سے ایک اور قوم دفعتاً ایجاد کر دے) پھر وہ اس خیال کی تائید میں کہ دوسری قوم جنس بشری سے ہوگی ایک حدیث کے استدلال فرماتے ہیں۔ یا میں طور کہ جب آیت وَاَنْتَ تَسْتَوِي كُنُوزًا تَسْتَكْبِرُ تَوَّاهِنًا غَيْرَ كَمَّ نَازِلٍ هُوَ تُوْرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے سلمان فارسیؓ کی پیٹھ پر پھینکی دینے ہوئے فرمایا انصاف قوم هذا یعنی نافرمانوں کو بے لگہ جس طرح کے دوسرے لوگ اللہ لائے گا وہ ایسے ہوں گے) حضورؐ کا نشانہ سلمان فارسیؓ کی خمین تو وصیف تھا۔ گویا نافرمانوں کی جگہ اس قسم کے فرماں بردار لوگ پیدا کر دیئے جائیں گے۔

اس کے بعد صاحب روح المعانی وہ عبارت حوالہ قلم کرتے ہیں جو تفسیر ماجدی میں نقل کی گئی، لیکن ظاہر ہے کہ بطور استدلال نہیں بلکہ برائے تردید۔ چنانچہ فرماتے ہیں و تعقبہ الوجدان بانہ خطا۔ پھر فرماتے ہیں کہ لفظ غیر سے تو بے شک غیر جنس مراد لے لی جاتی ہے لیکن محاورہ عرب میں لفظ آخر ایسی مغایرہ کے لئے مستعمل ہے جو ایک ہی جنس کے بعض افراد میں ہو۔ اس کے بعد وہ ایک صفحہ سے زیادہ میں اسی مسئلے پر فنی بحث کرتے ہیں بطور نظر عربی شعراء کا کلام بھی لاتے ہیں۔ ماہرین فن کے اقوال بھی پیش کرتے ہیں۔ اور صاف کہتے ہیں کہ جو گفتگو ہم نے کی اس سے ثابت ہے کہ مختار اور درست تر بات یہی ہے کہ لفظ آخر سے مراد وہی جنس ہو جس کے بعد یہ لفظ آیا ہے۔ قرآن سے بھی ان کا استدلال ہے۔ مثلاً سورہ نجم میں فرمایا گیا اَفَرَأَيْتُمْ اللّٰتِ وَالْعُزَّىٰ وَ مَنَاةَ الثَّالِثَةَ الاُخْرَىٰ اذْهَبْنَ اَنْهَنَّهُنَّ وَ كَيْهَاتَلَاتُ كُوْا وَاوَعَزَّىٰ كُوْا وَاوَعَزَّىٰ كُوْا وَاوَعَزَّىٰ كُوْا وَاوَعَزَّىٰ كُوْا تو منات جس کے لئے آخری کا لفظ لایا گیا ظاہر ہے لاتے عززی ہی کی جنس سے ہے۔ پھر کے دیوبندیوں کا۔

علامہ آلوسیؒ کو اپنی رائے پر اس حد تک اصرار ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم آگے اس مسئلے پر مزید تحقیق پیش کریں گے اور اسی کے ساتھ مشہور امام نحو و لغت کی تحقیق میرداماد کرتے ہیں کہ ان العرب لا تستعمل آخر الا فيما هو من صنف ما قبله دال عرب جب بھی کسی شے کے ساتھ لفظ آخر بولتے ہیں ان کی مراد اسی شے کی ہم جنس دوسری شے ہوتی ہے نہ کہ غیر جنس) پھر وہ حدیث مثال میں لاتے ہیں اور کہتے ہیں و حاصل هذا انہ لا یوصف باخر الا ما کان من جنس ما قبله لتبیین مغایرتہ فی محل یتوہم فیہ اتحادہ و لو تا ویدلاً۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ زمخشری کی رائے اس مسئلے میں حجت نہیں ہے کچھ میں نہیں آیا کہ اس سبب باوجود مذکورہ نوٹ کیسے درج تفسیر ہو گیا۔

(۱۱) آیت ۱۱۱ دَفَّ نَزْلَ عَلَيْنَا بِهِنَّ مِنَ الْمُصْحَفِ  
بیان ہوا ہے کہ:-

”جب سوا اللہ کی آیتوں پر انکا دہوتے اور نہی ہوتے تو نہ بیٹھوان کے ساتھ یہاں تک کہ مشغول ہوں کسی دوسری بات میں نہیں تو تم بھی انہی جیسے ہو گئے۔“ (ترجمہ شیخ الہند)

اس کے ذیل میں تفسیر ماجدی کا نوٹ ہے:-  
”فقہار نے لکھا ہے کہ فاسقوں کی مجلس میں شرکت جس وہ فسق میں نہ مشغول ہوں جائز ہے مگر کراہت کے ساتھ۔ لیکن اس قسم کے فقہی احکام کا وجوب مشروط ہے حکومت اسلامی کے ساتھ۔“

پتہ نہیں فاضل مفسر نے یہ کیا کہہ دیا۔ کیا آج جب کہ یہاں اسلامی حکومت نہیں ہے یہ بات جائز ہے کہ ہم فسق کی فن ٹھنکوں میں بیٹھے رہیں جہاں آیات الہی سے استہزاء اور ٹھٹھولی کیا جا رہا ہو۔ بظاہر تو یہ حکم ان احکام میں نہیں معلوم ہوتا جو اسلامی حکومت سے مشروط ہوں۔ فسق کی مجال میں شریک رہنا تو آج بھی مکروہ ہے جب کہ وہ خدا اور اس کے کلام کا مذاق نہ اڑا رہے ہو۔ اور یہی شرکت آج بھی احرم الحرام ہے اگر وہاں شیغل شیطانی بھی جاری ہو۔ غالباً محدث کی مراد کچھ اور ہی ہوگی جو الفاظ سے ظاہر نہ ہوگی یا پھر یہاں ہی کچھ یہاں ناکارہ ہو گئی ہے۔

سورۃ النساء ختم ہوئی۔ اب سورۃ مائدہ پر نظر ڈال لی جائے۔

(۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا بِالْعَقُودِ رِبَا  
آیت (ترجمہ)۔ اے ایمان والو! اپنے معاہدوں کو پورا کرو۔

بہاری ناقص رائے میں یہاں ”معاہدوں“ کا لفظ موزوں نہیں ہے۔ خود فاضل مفسر اپنے تفسیری نوٹ میں بجا طور پر فرمایا ہے کہ لفظ عقد یہاں ہر عہد شرعی کو شامل ہے اور ”قول وقرار“ کے مفہوم میں استعمال ہوا

ہے۔ ”قول وقرار“ بہترین لفظ تھا۔ اگر اسی کو ترجمے میں رکھ دیا جاتا تو بہت اچھا رہتا۔ معاہدے کا اطلاق ہماری بول چال میں ہر وعدے اور عہد پر نہیں ہوتا۔ مثلاً میں نے دکاندار سے کوئی چیز قرض خریدی اور کہا کہ آٹھ دن میں پیسے ادا کروں گا۔ تو اس کہنے کو ”وعدہ“ بولیں گے نہ کہ معاہدہ۔ اور اگر میں آٹھ دن میں ادا نہ کر سکا تو دکاندار مجھ سے یوں نہیں کہے گا کہ تم نے معاہدے کی خلاف ورزی کی بلکہ یوں کہے گا کہ تم نے وعدہ خلافی کی۔

آیت میں چونکہ سارے ہی وعدوں اور عہدوں کو شامل کیا گیا ہے اس لئے عقد کا صحیح ترین ترجمہ یا تو ”عہد“ ہو یا قول وقرار۔ چنانچہ شاہ عبدالقادر حضرت شیخ الہند اور حضرت تھانوی رحمہم اللہ ”عہدوں“ کہتے ہیں نہ کہ ”معاہدوں“ مولانا مودودی نے ”بندشوں“ ترجمہ کیا ہے۔ یہ اگرچہ روزمرہ سے مطابقت نہیں رکھتا مگر غلط بھی نہیں ہے۔

(۲) آیت ۱۲۱۔ كَيْسَلُوْنَ كَمَا ذَا الْجُنَّةِ  
ترجمہ:- ”آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیا چیز (کھانے کی) ہم پر حلال کی گئی ہے۔“

مغربی صاحب اس ترجمے میں لفظ ”ہم“ ہے۔ آیت میں لکنا نہیں آیا لھم آیا ہے۔ پھر لکنا کا ترجمہ کیوں۔ مذکورہ چاروں مفسرین لھم ہی کا ترجمہ کرتے ہیں:-

”لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیا جانور ان کیلئے حلال کئے گئے۔“

یہ مولانا تھانوی کا ترجمہ ہے۔ اس میں ”ہم“ نہیں بلکہ ”ان“ کہا گیا تاکہ ضمیر قرآنی سے مطابقت رہے۔ اس طرح باقی تینوں مفسرین نے بھی۔

صیحیح اور ضمیر کو ترجمے میں بدل دینا ایسے مواقع پر تو بلاشبہ درست ہے جہاں حوں کا توں ترجمہ آرد و محاورے کے اعتبار سے ناموزوں ہو۔ مگر یہاں ایسی کوئی بات نہیں

لہذا احوط یہی ہے کہ ضمیر قرآنی سے مطابقت رکھی جائے۔

(۳) آیت ۷۱۔ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ۔  
ترجمہ: (آپ کہہ دیجئے تو پھر خدا تمہیں گناہوں پر سزا  
کیوں دیتا ہے) یہاں دوسری ضمیر خطاب کا ترجمہ رہ گیا۔  
بذُنُوبٍ نہیں کہا گیا بلکہ بذُنُوبِكُمْ کہا گیا۔ صحیح ترین ترجمہ  
یوں ہوتا ہے۔ ”تمہیں تمہارے گناہوں پر سزا کیوں دیتا ہے۔“

(۴) آیت نمبر ۳۳ میں ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے جو  
اللہ اور رسولؐ سے لڑتے اور فساد پھیلاتے ہیں اللہ تعالیٰ  
فرما رہا ہے کہ انہیں قتل کرو یا سولی دو یا ان کے ہاتھ پیر  
کاٹو یا یتیموں اور یتیم خانوں سے ان کے مال لے لو۔ اس فقرے کا ترجمہ فاضل  
مفسر نے یہ کیا ہے۔

”یا وہ ملک سے نکال دیے جائیں۔“

ہمارے ناچیز خیال میں یہاں لفظ ”ملک“ درست  
نہیں ہے۔ احناف الفقہی من الارض کا مطلب ”قید کرنا“  
لیتے ہیں اسے چھوڑے۔ شوافع کے نقطہ نظر سے بھی ترجمہ  
”شہر بدر“ ہو گا نہ کہ ”ملک بدر“۔ یہی مذہب حضرت  
ابن عباسؓ اور حسنؓ اور سدیؓ اور ابن جریرؓ اور عسما بن  
عبد العزیزؓ کا۔ اس سے مختلف اگر کوئی قول پایا جاتا ہے  
تو وہ ہے اہل بلد البعد کا۔ یعنی ذرا دور کے شہر میں نکال  
دیا جائے (نہ کہ ملک ہی سے نکال دیا جائے)

شاہ صاحبؒ نے ترجمہ ”شہر بدر“ کیا ہے۔ مولانا  
تھانویؒ اور حضرت شیخ الہند نے احناف کا مسلک ملحوظ  
رکھتے ہو۔ یہ ترجمہ کیا ہے۔

”زمین پر سے نکال دیے جائیں“ (تھانوی)

”دور کر دیے جائیں اس جگہ سے“ (شیخ الہند)

مولانا مودودی ”جلا وطن“ کا لفظ لکھتے ہیں۔ یہ بھی  
اس لئے غلط نہیں کہ اس کا مطلب جہاں ”ملک بدر“ ہو  
سکتا ہے وہاں ”شہر بدر“ بھی ہو سکتا ہے کیونکہ ”وطن“ کا  
اطلاق جس طرح پورے ملک پر ہوتا ہے اسی طرح مولانا

مکن پر بھی ہوتا ہے۔ مثلاً ایک ہندوستانی دوسرے  
اجنبی ہندوستانی سے یوں پوچھے کہ آپ کا وطن کہاں  
ہے تو اس کا مطلب ہندوستان ہی کا وہ خاص شہر  
دریافت کرنا ہوتا ہے جہاں کا یہ شخص باشندہ ہے۔ لہذا  
مولانا مودودی نے ”جلا وطن“ کا لفظ اگر اسی محدود  
مفہوم میں استعمال کیا ہے تو درست ہے۔ ”ملک بدر“  
کے مفہوم میں استعمال کیا ہو تو غلط ہے۔

(۵) آیت ۳۷۔ یُرِيدُونَ أَنَّا نَحْمِلَ جُزْءًا مِّنَ  
النَّاسِ وَمَا هُمْ بِمُحَارِبِينَ مِنْهَا۔  
ترجمہ:۔۔۔ (جاہلیں گے تو نکل آئیں آگ سے حالانکہ اس  
دکھی) نہ نکل پائیں گے)

صاف ظاہر ہے کہ یہاں لفظ ”تو“ قلم کی چوک  
ہے بجائے ”تو“ کے بیانہ ”کہ“ مقام تھا۔  
”جاہلیں گے کہ نکل آئیں آگ سے۔۔۔“  
خیال ہے کہ یہ کتابتی غلطی ہو گی۔ فیض مفسر کا قلم  
گو ہر رقم ایسی چوک نہیں کر سکتا۔ واللہ اعلم۔

(۶) آیت ۴۲۔ فَإِن جَاءُوكَ فَاحْكُم بَيْنَهُم  
أَدَّأ عَرَضَ عَلَيْكُم۔

ترجمہ:۔۔۔ (اور اگر یہ آپ کے پاس آئیں تو (خواہ) ان کے  
درمیان فیصلہ کر دیجئے (خواہ) انھیں مال دیجئے۔“  
کہنا صرف اتنا ہے کہ دوسرا ”خواہ“ بریکٹ میں  
درست نہیں۔ لفظ او آیت میں موجود ہے۔ اس کا ترجمہ  
”یا“ کے عوض ”خواہ“ یہاں غلط نہیں مگر بریکٹ کس لئے  
بریکٹ تو زائد آئندہ متن کی علامت ہے۔

(۷) آیت ۶۴۔ وَقَالَتِ الْيَهُودُ يُدْعَى اللَّهُ غُلُوبًا  
وَقَالَتِ الْيَهُودُ يُدْعَى اللَّهُ غُلُوبًا۔

ترجمہ:۔۔۔ (اور یہود کہتے ہیں کہ خدا کا ہاتھ بند ہو گیا۔ ہاتھ  
ان ہی کے بند ہوں!)

پھر یہ افلاس و تنگ دستی کا ذکر کیوں۔

یہود اللہ کو تجلیل کہہ رہے ہیں یعنی مالدار تو ہے مگر کچھ اس ہے۔ اللہ جواب میں کہہ رہے ہیں کہ یہ ملعون خود بخود اس میں اللہ تو فیاض ہے۔ افلاس و تنگ دستی کی بحث ہی نہیں۔ بلکہ کسی کو کچھ اس کہنے کا تو ضمناً مقصد ہی یہ ظاہر کرنا ہوتا ہے کہ اس کے پاس مال ہے۔ مال نہ ہو تو خرچ کرنے کا کیسے انداز کچھ اس کہتا ہے گا کیوں۔

(۶) آیت ۷۰:۔ لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَرَجِمَہ:۔ "یقیناً ہم نے بنی اسرائیل سے عہد کر لیا۔" اگر لفظ "تر" کتابت کی غلطی نہیں ہے تو مدارج کا سپہ قلم ہے۔ "کر" کا یہاں کیا موقعہ۔ اس نے تو معنی ہی الٹ دئے۔ اگر یوں کہا جائے کہ۔۔۔ "میں نے نزدیک عہد کر لیا ہے کہ اب تیرے گھر نہیں آؤں گا۔" تو ظاہر ہے کہ اس میں عہد کرنے والا خود تکلم ہے۔ آیت کا ترجمہ صحیح یوں ہے "اور ہم نے لیا تھا تختہ ذوالبی اسرائیل سے" (شیخ الحدادی) یہاں اللہ عہد کرنے والا نہیں بلکہ لینے والا ہے۔ عہد کرنے والا تو ذوالبی اسرائیل ہیں۔

(۷) آیت ۷۸:۔ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا كَاذِبِينَ۔ ترجمہ:۔ "یہ اس لئے کہ انھوں نے برابر (انفرمانی کی اور حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔"

بڑا حجاب آتا ہے کہ ہم نالائق انشاء کی سلوٹوں پر مدد و کوشش کی جرأت کریں مگر دیانت کے آگے بے بس ہیں۔ ضروری تھا کہ درمیان میں لفظ "تھی" پایا جاتا۔ زانفرمانی کی تھی، یا پھر آخر کا "جاتے تھے" نہ ہونا بلکہ "نکل گئے" لکھتے۔

"انھوں نے حکم کی مخالفت کی اور حد سے آگے نکل گئے۔" (تھاوی)

یہ اس لئے کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے گذر گئے تھے۔ (شیخ الحدادی)

یہود کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تجلیل ہے۔ اس قول ملعون کے جواب میں اللہ کہتا ہے غَلَّتْ اَیْدِیْہُمْ فَاَضِلُّوا فَمَنْ لَمْ يَرْجِعْہُمْ بِرَدْعَانِی حَتِّیْت سے کہنا۔ یہ شک سلف میں بعض بڑے بڑے فضلاء نے اس فقرے کو بد عاہی پر محمول کیا ہے۔ لیکن ہماری ناقص رائے میں بجائے بد عاہی کے اسے اخبار و اطلاع کے مفہوم میں لیا جائے تو انبیا و اولیٰ ہے جیسا کہ شاہ عبدالقادر حضرت حکیم الامتہ اور مولانا مودودی نے لیا ہے۔

بند لکھے گئے ہاتھ ان ہی کے (شاہ صاحب) ان ہی کے ہاتھ بند ہیں (حکیم الامتہ) باز رہے گئے ان کے ہاتھ (مولانا مودودی) "باز عا" کسی ایسی شے کے لئے دی جاتی ہے جو ابھی واقع نہ ہو۔ خدا کرے تو سر جائے۔ یہ جملہ زید کے لئے بھی بولیں گے جب کہ وہ زندہ ہو۔ قول یہود کے جواب میں اگر اللہ نے بد عاہی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہود ابھی تک تجلیل نہیں تھے حالانکہ وہ اس وقت بھی تجلیل ہی تھے۔ ایسی صورت میں دل لگتا مفہوم یوں بنتا ہے کہ:

"یہ نالائق خود تو تجلیل میں اور کہہ رہے ہیں

اللہ کے بارے میں کہ وہ تجلیل ہے۔"

فاضل مفسر نے لفظ یس کے ذیل میں تو بجا طور پر یہ لکھا کہ غلّ ید تجلیل کے لئے اور بسط ید جو دو سخا کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن آگے غلّت اید یہم کے ذیل میں تحریر فرمایا:۔

"یہ بد عاہی کا کلمہ ہے یعنی افلاس و تنگ دستی"

حالانکہ تجلیل اور چیز ہے اور افلاس اور چیز جب حد و سیرت سے چلے کہ آیت میں تجلیل اور فیاضی کا تقابل ہے۔ نیز ید اسے بسط و سخا کے ذیل میں انھوں نے تحریر فرمایا:۔

"اور اردو میں بھی غارت فیاضی کے اظہار کے

موقع پر بولتے ہیں کہ کوئی ایک ہاتھ سے خرچ

کرتا ہے فلاں دونوں ہاتھوں سے لٹاتا ہے"



یہاں عرض کرنا صرف اس قدر ہے کہ "تم میں سے  
 کے علاوہ" آج کل کی زبان نہیں ہے۔ شاہ عبدالقادر  
 کے یہاں ایسی زبان ملے تو کوئی مضائقہ نہیں مگر آج کے  
 ایک مستند صاحب تسلیم ایسی زبان لکھ جائیں تو یہی سمجھا  
 جائے گا کہ رواجی میں لکھ گئے اور نظر ثانی کا موقعہ  
 نہیں آیا۔

(۱۱) آیت ظلہ :- اذ قال الایہ -

(ترجمہ) ..... "اپنے اوپر اپنی والدہ کے اوپر یاد کرو"  
 لفظ "اور" غالباً کاتب سے چھوٹ گیا ہے۔ ہونا  
 چاہیے تھا :-  
 "اپنے اوپر اور اپنی والدہ کے اوپر"  
 یہاں سورہ مائدہ کے ترجمے پر ہماری معروضات  
 ختم ہوتیں۔ اب کچھ اس کے بعض تفسیری نوٹوں پر عرض  
 کر دیں۔

(۱) آیت نمبر ۶ میں قرآن نے اطلاع دی ہے کہ زمانہ  
 سابق میں بعض انتہائی نافرمان لوگ اتنے ملعون و مغموض  
 قرار دیئے گئے کہ اللہ نے انھیں بندر اور سوربنا دیا۔  
 الفاظ ہیں۔ وَجَعَلَ مِنْهُمْ الْقُرْدَةَ وَالْخَسَارِيَةَ  
 حمدوح مفسر کا رجحان طبع اس طرف ہے کہ یہ لوگ سورہ  
 بندر اور سوربنا نہیں بنائے گئے تھے بلکہ یہ کہنا ہے ان  
 کی بدترین اخلاقی اور عملی حالت سے۔ اس رجحان کے  
 لئے کوئی قوی دلیل انھوں نے پیش نہیں کی بلکہ جو خط  
 اس سلسلے میں انھوں نے اپنے مرشد حضرت تھانویؒ کو  
 لکھا تھا اس کا سیر حاصل جو اب بڑی عمرگی سے یہ بنا  
 رہا ہے کہ اس تاویل کی کوئی گنجائش آیت میں نہیں۔  
 پھر بھی حمدوح نہ صرف یہ کہ مطمئن نہیں ہوئے بلکہ اپنے  
 رجحان ہی پر قائم رہے۔ ہم اس پر اس سے زیادہ کہنا  
 کہیں کہ یہ ان کا محض رجحان ہے وہ نہ دلائل تو اس کے  
 خلاف ہی ہیں اور در مشورہ والی روایت کا کوئی اعتبار

نہیں۔

اسی آیت میں یہ الفاظ ہیں۔ اذ اذ قال الایہ -  
 اس پر حمدوح کا یہ لکھنا۔

"شتر کو یہاں مضاف مکان کی طرف کیا گیا ہے  
 اور مراد اس سے اہل مکان نہیں۔"

جھول سے خالی نہیں۔ نحوی اعتبار سے شتر مضاف کیسے  
 ہو سکتا ہے جب کہ اس پر تنوین موجود ہے اور مکان مضاف  
 الیہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ وہ مقصور ہے نہ کہ مسور۔ انبات  
 ہوتی تو اعراب یوں ہوتا شتر مکان۔ غالباً حمدوح نے  
 اضافت کا لفظ استاد کے معنی میں لکھ دیا ہے۔ بہر حال  
 مکانا یہاں تیز ہے نہ کہ مضاف الیہ اور اسناد کی اس  
 شکل کو اضافت سے تعبیر کرنا اصطلاح نحوی کے لحاظ  
 سے مغالطہ پیدا کرنے والا ہے۔

(۱۲) آیت ۱۱۹ :- لَعْنَةُ جَنَّتِ تَا ذٰلِكَ الْقَوْمِ  
 العظیم -

(ترجمہ) "ان کے لئے باغ ہوں جن کے میچے ندیاں  
 بہ رہی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ ہمیش کو رہیں گے۔  
 اللہ ان سے خوش رہا اور وہ اللہ سے خوش رہتے۔ پھر  
 بڑی کامیابی ہے۔"  
 یہاں بحث یہ ہے کہ "یہی" (ذٰلک) سے اللہ  
 کی کیا مراد ہے؟

ہمارے علم کی حد تک جمہور کی مراد سے تو یہ ہے کہ  
 اشارہ جملہ ماسبق کی طرف ہے یعنی جنت کی نعمتیں اور  
 اللہ کی خوشنودی دونوں کا حصول۔ اور بعض محققین ان  
 طرف گئے ہیں کہ فخر عظیم یہاں اللہ کی رضا جوئی کو  
 کہا گیا ہے۔ حمدوح مفسر نے تحریر فرمایا۔

"لیکن امام رازی نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ  
 الفور العظیم کا تعلق صرف رضوان الہی  
 سے ہے جس کے مقابلے میں جنت کی عام  
 نعمتوں کی کوئی حقیقت نہیں۔"

اس کے بعد انھوں نے امام رازیؒ کی عبارت بھی نقل کر دی ہے جس کا ترجمہ نہیں دیا لیکن ہمیں اس پر کچھ عرض کرنا ہے اس لئے ترجمہ بھی سن لیجئے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں:-

”ہمارے نزدیک یہ بالکل ممکن ہے کہ نور عظیم بہا صرف رضوان الہی کو کہا گیا ہو۔ چنانچہ سوچو جو رکھنے والوں (ارباب الالباب) کے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ جنت کی جنتی بھی نعمتیں ہیں وہ رضوان الہی کے مقابلے میں بس ایسی ہی ہیں جیسے دوزخ کے مقابلے میں عدم۔ اور کیوں نہ ہو جبکہ جنت تو بس خواہشات نفس کی مرغوب ہے اور رضوان حق کی صفت ہے تو ان دونوں میں مناسبت ہی کیا۔“

حضرت مفسر نے امام رازیؒ کا یہ فرمودہ تائید اور تحسین ہی کے سیاق میں نقل کیا ہے اور فرمایا ہے:-  
”امام موصوف تصوف کے بھی ذوق شناس تھے خدا جانے خشک منکم کیسے مشہور ہو گئے۔“

بے شک ہمیں تسلیم کرنا چاہیے کہ ارباب تصوف میں یہ انداز فکر خاصا عام ہے جسے یہاں امام رازیؒ نے پیش فرمایا ہے۔ لیکن ہم جتنا جتنا اس نکتے پر غور کرتے ہیں اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں شاعری والا مبالغہ پایا جاتا ہے اور امام رازیؒ جیسے امام عقل و منطق کا اس پر سر دھننا اور اس کی تصویب و تحسین کرنا تصوف ہی کے سایہ عاطفت کا حامل ہے نہ کہ عقل و دراست کا۔

امام رازیؒ کتنے ہی بڑے ہوں اور مشائخ و صوفیاء کا کچھ ہی مرتبہ ہو لیکن قرآن سے زیادہ حق مسلمان پر کسی کا بھی نہیں اور یہاں ہماری فہم ناقص محسوس کرتی ہے کہ اس نکتے سے قرآن کی بعض آیات میں پر حرج آتا ہے۔ لہذا ہمارا فرض ہے کہ قرآن کا حق ادا کریں اور ایک بندہ ناچیز ہوتے ہوئے بھی اپنے اجتلائی خیال کو مدلل طور پر پیش کر دیں۔ جو حضرات حق کو تھکھکات سے بلند ہو کر دیکھنے

کے عادی ہوں ان کیلئے ہماری معروضات اشارۃً لہذا سے خالی نہ ہوگی۔

خالص عقل و منطق کے نقطہ نظر سے دیکھتے تو جنت کی نعمتوں میں اور رضوان الہی میں تقریباً ایسا ہی رشتہ ہے جیسا تخم اور پھل یا اثر اور موثر یا سبب اور مسبب یا علت اور معلول میں ہوتا ہے۔ خوشنودی اور ناخوشی، محبت اور نفرت، رضا اور غضب، مجرد کئی چیزیں ہیں جن کا احساس اور ادراک آثار و مظاہر کے بغیر ممکن نہیں جس طرح رضا یا غصہ یا درد و کرب الگ محسوس نہیں ہو کر تے بلکہ کسی نہ کسی حسی منظر ہی میں خود کو ظاہر کرتے ہیں اسی طرح اللہ کی خوشنودی کوئی ایسی شے نہیں جو مظاہر اور آثار و علامات سے الگ ہو کر انسانی ادراک و احساس کی گرفت میں آسکے۔ لہذا اسے دوسری نعمتوں کے مقابلے میں رکھنا کم و بیش ایسا ہی ہے جیسے روح اور جسم کو یا بیج اور پھل کو یا اثر اور موثر کو ایک دوسرے کے بالمقابل رکھا جائے۔ کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ساری قیمت سورج کی ہے روشنی کوئی قیمت نہیں رکھتی۔ کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ پھل پھول ذرا بھی اہم نہیں تمام اہمیت تخم کی ہے۔ کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ مطلوب صرف کمرنگ ہے وہ بدوشی چھ نہیں جو اس کمرنگ سے جلنے والے نفع دے رہے ہیں؟

ہمارا ناقص خیال ہے کہ ایسا تقابلی بنیاداً ہی غیر منطقی ہے اور اسے صرف شاعری کے زمرے میں رکھنا چاہیے۔ شاعری یقیناً سات سمندر روں کے موتی ایک سہرے میں گوندہ سکتی ہے اور ایسا ہی مبالغہ اس دعوے میں ہے کہ رضوان الہی کے مقابلے میں جنت کی نعمتیں لاشی کا درجہ رکھتی ہیں۔

دوسرا پہلو فطرت انسانی کا ہے۔ اللہ نے انسان کو جس فطرت پر بنایا ہے وہ کسی کو ناگوار اور ناپسند ہو تو اس کی شکایت وہ اللہ سے کرے۔ فطرت بہر حال انسان کی یہی بنائی گئی ہے کہ وہ بعض قوی ترین شہوات کا غلام ہے۔ یہ شہوات اس کی جبلت ہیں۔ عین وہ فطرت ہیں

جو آدم و حوا سے علیٰ آری ہے۔ کسی کی شاعرانہ نکتہ سنجیوں سے یہ فطرت بدل نہیں سکتی اور اللہ خود اس فطرت کی اس حد تک پاسداری کرتا ہے کہ تیرے ان میں ایک دو جگہ نہیں سیکڑوں جگہ جنت کی بیش بہا نعمتوں کو کھول کھول کر بیان فرمایا اور کھلے الفاظ میں ان کی ترغیب دی۔ حرص لانی۔ یہاں تک کہا کہ مومنین کی جانوں کو جنت کے عوض خرید لیا گیا ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس فطرت کیلئے جنت کی نعمتیں کسی قدر قیمت کی حامل نہ ہوں اور مجردہ رضوان الہی اسے سلکین دیدے جس کا احساس و ادراک بھی وہ ان نعمتوں کے بغیر نہیں کر سکتا جو مجسم ہو کر اس کے سامنے نہیں آسکتی جو شخص ایک کیفی اور معنوی شے ہے۔

پھر آئیے قرآن کے دیگر مقامات بھی دیکھ لیں۔ یہ ذلک الفوز العظیم والا فقرہ بس ہمیں تو نہیں آیا ہے۔ اور بھی متعدد مقامات پر آیا ہے۔ قرآن ہی سے قرآن کی تفسیر ہو جائے تو اس سے بہتر بات کیا ہو سکتی ہے۔ جس آیت پر گفتگو چل رہی ہے اس میں جنت کا ذکر پہلے آیا اور رضوان الہی کا بعد میں۔ پھر فرمایا گیا ذلک الفوز العظیم۔ اس طرح ذلک اور رضوان الہی میں لفظی قرب بے شک ہو گیا لیکن یہی قرب اگر یہ اجازت دیتا ہے کہ اشارہ الیہ صرف رضوان الہی کو مانگر جنت کو خارج کر دیا جائے تو پھر سورہ توبہ کی درج ذیل آیت کے بارے میں کیا کہا جائیگا

سَرَّوْنَا لِلَّهِ عَنَّا وَ سَرَّوْنَا  
عَنَّا وَ اَعَدَّ لَكُمْ جَنَّتٍ  
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ  
خَالِدِينَ فِيهَا اَبَدًا  
ذَلِكِ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ  
اللہ ان سے راضی ہو اور وہ اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ نے تیار کر رکھے ہیں ان کے لئے ایسے باغات جن کے نیچے نہیں بہتی ہیں رہا کریں ہمیشہ ان ہی باغوں میں رہیں۔ (آیت ۱۰)

یہاں ماندہ والی آیت کے برعکس رضوان الہی کا ذکر پہلے ہے اور جنت کا بعد میں۔ اس طرح لفظی تسرب

ذلک کا جنت کے ساتھ ہوا تو کیا یہاں یہ کہہ سکیں گے کہ فوز عظیم صرف جنت کو کہا گیا ہے رضوان الہی اس سے خارج ہے۔

اگر نہیں کہہ سکیں گے اور یقیناً نہیں کہہ سکیں گے تو پھر ماندہ والی آیت میں آپ جنت کو خارج کیسے کئے دیتے ہیں۔ اس آیت سے قطعی طور پر معلوم ہوا کہ ذلک کا اشارہ الیہ وہ سب چیزیں ہیں جو پہلے بیان ہوئیں نہ کہ صرف وہ چیزیں جو قریب تر واقع ہے۔ لہذا یہی ذلک جب دوسری اسی نوع کی آیت میں واقع ہو رہا ہے تو وہاں بھی آپ کو تسلیم کرنا ہوگا کہ جنت اور رضوان الہی دونوں کی طرف اشارہ ہے نہ کہ تنہا رضوان الہی کی طرف۔

اب آئیے بعض اور آیات بھی دیکھتے جو ڈنکے کی چوٹ کھہر رہی ہیں کہ جنت اور اس کی نعمتیں کسی بھی دوسری شے کے مقابلے میں بیچ اور بے قیمت نہیں ہیں بلکہ ان ہی کا حصول اللہ کے نزدیک بنائے کی زبردست اور راجح اور بڑی کامیابی ہے۔

(۱) سورہ مومن کی آیت ۹ میں فرمایا گیا۔

”اور جس کو تو بچائے براہیوں سے اس دن اس پر ہر بانی کی تو نے اور یہ جو ہے یہی ہے بڑی مراد پائی و ذلک هو الفوز العظیم در ترجمہ شیخ ابن ہند“

یعنی قیامت کے دن بندے کا پریشانی اور گھبراہٹ اور غم سے بچ جانا براہیوں کی سزا سے بچنا اور راجح اور رحمت خداوندی سے بہرہ ور ہونا ہی فوز عظیم ہے۔ عربی داں حضرات جانتے ہیں کہ یہاں شوہ کے اٹھانے نے ہر مرد اگر دیا ہے یعنی لفظ ”یہی“ پر خوب زور دے کر پڑھیں گے۔ ”و تحقیق یہی ہے فوز عظیم۔“

فیصلہ کر لیا جائے کہ یہاں مجرد رضوان الہی کو نہیں بلکہ عذاب سے بچنے اور رحم و کرم سے مستفیض ہونے کو فوز عظیم کہا گیا ہے جو غرہ اور ظہر ہے رضوان الہی کا۔

(۲) سورہ دخان آیت ۵۶ و ۵۷ میں فرمایا گیا۔

”اور بچایا ان کو درخ کے عذاب سے نفل سے“

تیرے رب کے یہی ہے بڑی مراد ملنی ذلک هو الفوز العظیم“ (ترجمہ شیخ الہند)

یہاں بھی وہی بات کہ بندوں کی راحت جسمانی کو فوز عظیم قرار دیا گیا نہ کسی ایسی شے کو جو سرتا سر کیف اور معنی ہو یعنی رضوان الہی۔

(۳) سورہ جاثیہ آیت ۳۰ میں فرمایا گیا:-

”سو جو لوگ یقین لائے ہیں اور بھلے کام کئے سو

ان کو داخل کرے گا ان کا رب اپنی رحمت میں۔ یہ

جو ہے یہی ہے صریح مراد ملنی۔ ذلک هو الفوز العظیم“

رحمت میں داخل کرنے کا مطلب متفق علیہ طور پر یہ ہے کہ انھیں جنت میں داخل کرے گا جہاں طرح طرح کی نعمتیں ہوں گی اور کرب و الم کا ہانا نہ ہوگا۔ پھر کیا یہ حصول جنت ہی کو صریح کامیابی قرار نہیں دیا گیا۔ کھلی کامیابی واضح اور عیاں۔ (۴) سورہ فتح آیت ۵ میں فرمایا گیا:-

”تا کہ پہنچا دے ایمان والے سردوں کو اور ایمان

والی عورتوں کو باغوں میں نیچے بہتی ہیں ان کے

نہریں ہمیشہ رہیں۔ اور اتار دے ان پر سے ان کی

برائیاں اور یہ ہے اللہ کے یہاں بڑی مراد ملنی

وكان ذلک عند اللہ فخرًا عظیمًا (ترجمہ شیخ الہند)

کیا اس پر کچھ کہنے کی ضرورت ہے؟

جو کچھ برائیاں سرزد ہو گئی ہیں ان کی پاداش میں سزا نہ ملنا اور ایمان و عمل کے عوض جنت میں داخل کر دیا جانا اسی کو اللہ فوز عظیم کہہ رہا ہے اور عند اللہ کا لفظ بڑھا کر اس کو سوسہ کو بھلی ختم کر دیا کہ ہمیں اس عظیم کامیابی کو محض انسانی شہوات کی کامیابی قرار دے کر انکا تہہ گھٹانے لگو۔ نہیں یہ خود اللہ کے نزدیک بھی فوز عظیم ہے۔ زبردست کامیابی۔

صاف ظاہر ہے کہ جب اللہ ہی نے انسانی فطرت شہوات و خواہشات کے خمیر سے اٹھائی ہے تو اسے برات گھسیا کیوں لگے گی کہ آدمی جنت کی نعمتوں کو فوز عظیم سمجھے اور خوش ہو۔ نعمتوں کی تحقیر و تحفیف حقیقتہً نعمت

بخشنے والے کی تحقیر ہے نعمتوں ہی سے تو آخرت میں بندے اندازہ لگاسکیں گے کہ اللہ راضی ہے۔ جو نعمتیں رضائے الہی کے علم و ادراک کا واحد ذریعہ ہوں ان ہی کو اتنا گھٹانا اور بے حقیقت قرار دینا جتنا امام رازی کے نکتہ مذکورہ میں نظر آ رہا ہے ہم نہیں سمجھتے کہ پر واز تخیل کے سوا کیا معنی رکھتا ہے۔

(۵) سورہ صاف کی آیت ۱۲ میں فرمایا گیا:-

”بخشنے گا وہ تمہارے گناہ اور داخل کرے گا تم کو

باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں۔ اور تمہرے

گھروں میں بسنے کے باغوں کے اندازہ۔ یہ ہے بڑی

مراد ملنی ذلک الفوز العظیم (۶)

عین وہی بات۔ مجرد اور خیالی رضوان الہی کو نہیں بلکہ رضوان الہی کے لازمی اثرات و اثرات کو، جنت کی نہروں اور کانوں کو، جسمانی راحت و آرام کو فوز عظیم کہا جا رہا ہے۔ یہ سب بہ الفاظ امام رازی ”مرغوب الشہوة“ یقیناً ہیں مگر اسے کیا سمجھے کہ خود مالک الملک، خالق اکبری مرغوبات شہوة کے حصول کو زور شور سے فوسر عظیم کہے چلا جا رہا ہے۔

(۶) سورہ تغابن آیت ۹ میں فرمایا گیا:-

”اور جو کوئی یقین لائے اللہ پر اور کرے کام بھلا

اتار دے گا اس پر سے اس کی برائیاں اور داخل

کرے گا اس کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں

ندیاں رہا کریں ان میں ہمیشہ۔ یہی ہے بڑی مراد

ملنی ذلک الفوز العظیم (۷)

خوب غور سے دیکھئے کیا یہاں رضوان الہی کا مذکور ہے۔ ظاہر ہے کہ نہیں اور بالکل نہیں۔ رضوان کے بجائے ان ہی نعمتوں کا تذکرہ ہے جو رضوان کا حامل ہیں اور جنھیں تصوفانہ نقطہ نظر سے فرار دیتا ہے۔ یعنی جنت۔ وہاں کے دلفریب نظارے۔ شادابی و رعنائی۔ خوب مرگ سے بے فکر۔ عیش و آرام۔ اسی مرغوب الشہوة کو اللہ نے فوز عظیم فرمایا۔

(۷) سورہ بروج آیت ۱۱ میں فرمایا گیا:-

”بے شک جو لوگ یقین لائے اور کیں انھوں نے

بتانے کا بھی یہی نکلے گا کہ بندوں کے لئے جنت کی نعمتیں بے حد اہم اور قیمتی ہیں۔

انسانی اعمال محدود ہیں۔ بڑی سے بڑی نیکی بھی تھوڑے سے وقت کا ایک عمل ہے لہذا انسانی عقل یہ سوچ سکتی ہے کہ جنت کی جو نعمتیں بدلے میں ملی ہیں وہ بھی کہیں محدود اور فانی نہ ہوں۔ وہ بھی کہیں ایک دن سلبت کر لی جائیں۔ چند روزہ طاعت و بندگی کے صلہ میں لازوال اور بیکران انعام کا تصور چونکہ فہم انسانی سے بعید ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ خلیوہ اور ابدیت کی وضاحت فرمائی یعنی جنت اب چھنے گی نہیں۔ ہمیشہ اسی میں حرزے کئے جاؤ گے۔ اسی بقائے دوام کے خردہ حانقرہ کا ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ رضیانا من اللہ اکبر فرمایا گیا۔ یعنی اے بندو! اللہ اب تم سے راضی ہو چکا ہے۔ باندہ نشہ

میت کر و کہ جو کچھ ملا ہے چھین جائے گا۔ یہ تو ہمیشہ ہمیش کو تمہارا اپو گیا کیونکہ ان سب نعمتوں کا مالک تم سے خوش ہے ظاہر ہے کہ نعمتوں کا میسر آنا جتنی بڑی کامیابی ہے اس کہیں بڑی کامیابی یہ ہے کہ یہ نعمتیں دائم قائم رہیں۔ چھٹنے کا خوف و خطر مٹ جائے۔ ہمیشگی کا تصور دل کو فرحت و لذت سے بھر دے۔ کسی شخص سے آپ یوں کہیں کہ تم ہم سے یا تو بادشاہت لے لو جو تمہیں سال بھر تک ملی رہے گی۔ جی بھر کر مزے اڑانا۔ پھر سال بھر بعد یہ تم سے چھین جائے گی اور پھر سے فقیر و فلاں بنا دینے جاؤ گے۔

یا پھر ہزار دیہاتوں پر مشتمل جاگیر لے لو جسے تم سے کبھی نہیں چھینا جائے گا۔ ہمیشہ اسی پوزیشن میں رکھے جاؤ گے۔ نوکر جا کر لونڈی غلام کھیت مکان سب ابدال آباد تک تمہاری ملکیت رہیں گے۔

کھلی بات ہے کہ ہر صدا فہم یک را لہ بادشاہت کے مقابلے میں مذکورہ جاگیر داری کو پسند کرے گا کیوں کہ بادشاہت اگرچہ مقابلہ بڑی نعمت ہے مگر جی و دو مستعمل ہے اور جاگیر داری اگرچہ نسبتاً معمولی ہے لیکن لائقے دوام

بھلائیاں ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں۔ یہ بڑی مراد ملنی ذلک الفوز الکبیر (۲)

یہاں بھی عین وہی صورت حال۔ اس باب لیباب نے انکار ازئی کے بیان کے مطابق جو بھی فرمایا ہو یا آج فرمائیں مگر ہم بے وقوف تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ اللہ رب العزت نے بار بار دہرا تہرا کر فوض عظیم بندوں کے جسمانی عیش و آرام اور "مرغوب الشہوۃ" نعمتوں ہی کو قرار دیا ہے۔

یہ آٹھ آیات ہم نے نقل کیں جن میں حصول جنت کو قرآن نے بلا اہرام اور بلا ریب فوض عظیم اور فوض کبیر اور فوض صہبیین ارشاد فرمایا۔ اب کیا اس کے بعد بھی یہ جاننے ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا شیخ اور امام اور قطب کسی آیت قرآنی سے ایسا نکتہ اخذ کرے جس کا مطلب یہ ہو کہ فلاں شے کے مقابلے میں جنت پھوٹی ٹوکڑی کی قیمت نہیں رکھتی۔ فوض عظیم نور کناروہ سرے سے کوئی چیز ہی نہیں۔ اسے اہمیت دینا اور مرغوب رکھنا شہوۃ جیسے گھٹیا عنوان کا مستحق ہے۔

ایک آیت قرآن میں بے شک ایسی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کی برتری اور بڑائی کو مستقلاً بیان فرمایا ہے۔ سورہ توبہ آیت ۲۲ میں فرمایا گیا۔

"وعدہ دیا ہے اللہ نے ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں کا کہ بہتی ہیں نیچان کے نہریں رہا کریں انہی میں اور شہرے مکانوں کا رہنے کے باغوں میں اور رضامندی اللہ کی ان سب سے بڑی ہے۔ یہی ہے بڑی کامیابی ذلک هو

الفوز العظیم (۲)

لیکن یہاں یہ تو نہیں کہا گیا کہ رضائے الہی کے مقابلے میں جنت کی نعمتیں لاشیٰ اور عدم کے درجے میں ہیں۔ صرف یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کی رضائن سب سے بڑھ کر ہے۔ اور کیوں بتایا گیا؟ اس پر بھی غور کر لیجئے۔ حال اس

نے اسے مذکورہ بادشاہت پر فوقیت دیدی ہے۔  
 بس اسی مفہوم کو ذہن نشین کرانے کے لئے اللہ نے فرمایا کہ رضوان الہی سب نعمتوں سے بڑھ کر ہے کیونکہ اسکی وجہ سے نعمتوں کی بقلے دوام کی ضمانت حاصل ہوتی ہے۔  
 انصاف کیا جائے کہ کیا اس انداز کلام سے جنت کی نعمتوں کا تحقیر اور غیر اہم ہونا ثابت ہو یا بقدر قیمت کچھ اور بڑھ گئی۔ کوئی بزرگوار اور بہاری اس ترجمانی کو نہ مانیں تو تحقیر حق ہے کہ کوئی اور ترجمانی فرمائیں لیکن ایسی کوئی ترجمانی اور تحقیر جائزہ قرار نہیں دی جاسکتی جس سے جنت کا تحقیر و بے قدر ہونا لازم آئے کیونکہ ایک نہ دو آٹھ آیات میں اللہ تعالیٰ جنت کے حصول کو فوز عظیم و کبیر قرار دے چکا ہے۔ اور ایسی تفسیر کسی بھی مستند مفسر نے جائز نہیں رکھی جو بعض بات کے خلاف جاتی ہو۔

ہم نے جو ترجمانی کی اس کی تائید میں ایک حدیث صحیح بھی دیکھ لی جائے۔ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت کو پکارے گا۔ جنتی "لیک" کہیں گے۔ اللہ پوچھے گا۔ اہل رضیتم؟ دیکھا اب تو تم خوش ہو گئے؟ جنتی نہیں گے۔ اے ہمارے رب خوش کیوں نہ ہوں گے آپ کے ہمیں اتنی ساری نعمتیں عطا کر دی ہیں۔ اللہ کہے گا۔ اچھا کیا تم لوگ اس سے بھی بڑھ کر کچھ لینا چاہتے ہو جو کچھ اب تک دیا گیا ہے؟ جنتی کہیں گے۔ اے پروردگار اس سے بڑھ کر بھلا کیا ہوگا۔ اللہ فرمائے گا۔ اِحٰنْ عَلَیْكُمْ مِمَّنْ رَضِیْتُمْ لَیْسَ لَکُمْ اَشْیْءٌ عَلَیْكُمْ بَعْدَ ذٰلِکَ (اپنی دائمی رضا اور خوشنودی تم پر اتارنا تمہوں جس کے بعد کبھی غصگی اور ناخوشی نہ ہوگی۔ ترجمہ دیکھ لیجئے۔ اللہ کے پوچھنے پر بندوں نے یہی تو کہا کہ ہمیں ان نعمتوں پر خوشی ہے جو ہمیں دی گئی ہیں۔ یہ نہیں کہا کہ ان نعمتوں میں کیا رکھا ہے ہمیں تو آپ کی رضا چاہئے۔ ایسا کیونکر کہتے جب کہ وہ جان رہے تھے کہ یہ نعمتیں رضایہ ہی کے نتیجے میں میرا آئی ہیں اور جب کہ انسانی فطرت ہی شہوات و خواہشات سے عبارت ہے تو مجرد ایک تصور اتنی اور خیالی رضایہ کی طلب بھی یہ فطرت کر کیسے سکتی ہے۔

پھر اللہ نے بھی بندوں کے جواب میں یہ نہیں کہا کہ نالائقو! تم مرغوب الشہوة چیزوں پر خوش ہو۔ تم نے بڑی گھٹیا چیزوں کو اہمیت دے لی ہے بلکہ یہ پوچھا کہ کیا اس سے بڑھ کر تمہیں کچھ نہ دوں؟۔ اس سوال سے جنت کی اہمیت ہی ثابت ہوتی ہے نہ کہ تحقیر۔ جواب میں بندے جو کچھ کہتے ہیں اس سے بھی ظاہر ہے کہ جنت کی نعمتیں ہی ان کی رغبت طلب کا آخری اقی ہوں گی۔ وہ ان نعمتوں کو ایسی چیز نہیں سمجھیں گے جسے رضوان الہی کے مقابلے میں رکھا جائے بلکہ رضوان الہی ہی کا منظر اور اثر اور غم تصور کریں گے۔ اسی لئے وہ نہیں سمجھ پاتیں گے کہ اب بھلا کیا چیز رہ گئی جو اللہ عطا کرے گا۔

اللہ جواب دیتا ہے کہ میں اپنی رضا تمہیں عطا کرتا ہوں۔ اس کا مطلب یقینی طور پر رضائے دائمی ہے کیونکہ وقتی رضا و جنت کی شکل میں پہلے سے موجود ہے۔ جنت وقتی ہی کیسے اگر اللہ رضائی نہ ہو گیا ہوتا۔ چنانچہ خود باری تعالیٰ اپنی رضائے دائمی کا مطلب اور منشا بیان فرمادیتا ہے کہ۔  
 "اب کبھی تم سے ناخوش نہیں ہوں گا"

گو یا جنت کی جو نعمتیں ہمیں ملی ہیں وہ مجرد ایمان و عمل کا بدلہ نہیں بلکہ ان کے پیچھے رضائے الہی کا فرمایا ہے۔ یہ ت ذر و کہ ایمان و عمل تو محدود و موقت تھے کہیں ان کا بدلہ بھی محدود و موقت نہ ہو۔ ہم تمہیں نوید دیتے ہیں کہ اب تم سے کبھی خفا نہ ہوں گے اور بہاری رضادائما تمہارے لئے مقدر ہو چکی۔

اچھی طرح غور کر لیجئے کیا یہاں بھی دوام نعمت ہی کو مزیدہ جانفزا تسلیم نہیں دیا گیا۔ کیا ارشاد الہی صریح طور پر یہ نہیں جانتا کہ جو مرغوب الشہوة نعمتیں تمہاری مسرتوں کا باعث ہیں انہیں دوام عطا کیا گیا مجرد رضاد یا بہ الفاظ مناطقہ میں حیث (جی جی) اور فی نفسہ خوشنودی ایسی چیزیں نہیں جس کا احساس وادراک اور خیال و تصور انسان اثرات و علامات کی لاگ اور اضافت کے بغیر کر سکے۔ شاعری کی بات الگ ہے۔ وہ رگ گل سے بلبل کے

کہ باقی جسم کو پورا "مور" مان لیا گیا حالانکہ مور تو دم سمیت پورے جسم کا نام ہے۔ کم و بیش اسی طرح امام رازیؒ کے زیر بحث نکتے میں عجیب یہ ہے کہ حرت کی حامل شدہ نعمتوں کو رضائے الہی کا مقابل بنا دیا گیا۔ حالانکہ جنت کا حصول عین رضائے الہی کا لازمہ اور ثمرہ اور حاصل و حصول ہے۔ اثر و ثمر اور سبب و مسبب اور تخم و ثمر ایک دو جس کے مقابل نہیں ہوا کرتے اور اگر بعض مواقع پر تقابل ہی کیا جائے تو پھر انسانی فطرت اور جبلت یہ ہے کہ وہ اثر اور مسبب اور پھل کو مطلوب قرار دیتی ہے۔ بیچ کننا ہی قیمتی ہو آدمی کے لئے اس کی کوئی اہمیت نہیں جب تک پھل اس کی جھولی میں نہ پڑ جائے۔ سورج معدوم ہو جانے اور وہ تمام منافع آدمی کو حاصل رہیں جو سورج سے ملتے ہیں تو وہ کبھی پروا نہ کرے گا کہ سورج کیوں نہیں ہے لیکن اگر ایک کی جگہ دس سورج بھی طلوع ہوتے رہیں اور آدمی کو ان سے روشنی اور حرمت اور ثمرہ نہ ملے تو وہ ان دس کے دہن کو فضول سمجھے گا۔

اگر امام رازیؒ اور تصوف پسند حضرات کو یہ ضد ہی ہے کہ جنت اور رضوان میں مقابلہ ضرور کریں تو نتیجہ وہ نہیں نکلے گا جو وہ نکال رہے ہیں بلکہ معاملہ اُلٹ جائے گا۔ حدیث صحیح ابھی آپ نے پڑھی اس سے ثابت ہے کہ دخول جنت کے بعد ایک ایسا وقت بھی ہے جب اہل جنت پر اللہ نے اپنی رضائے دائم اتارنے کا اعلان نہیں فرمایا ہے مگر وہ اس قدر خوش ہیں کہ اس سے زیادہ خوشی کا تصور بھی ان کے بس سے باہر ہے۔ یہ وہی فطرت تو ہے جو اثر اور مسبب اور پھل سے کسی رکھتی ہے۔ بندوں کو جنت ملی رہتی اور اللہ وہ اعلان نہ فرماتا جو حدیث مذکور میں فرمایا تب بھی اہل جنت مگن رہتے۔ بس یہ ڈر ضرور انھیں لگا رہتا کہ ایسا نہ ہو اللہ کسی دن یہ نعمتیں حسین لے۔ یہ ڈر بھی نعمتوں ہی کی طلب اور درخت اور قدر و قیمت کا مظہر ہے نہ کہ کسی شاعرانہ تخیل کا۔ بہر حال تقابل کی صورت میں معنی تو بلاشبہ اہمیت اور برتری رضائے

پر بھی باندہ دیتی ہے مگر یہ معاملہ قرآن کا ہے۔ تشریح انہاں کے پکارے کہے چلا جا رہا ہے کہ حصول جنت فوز عظیم ہے لہذا ایسی شاعری قابل قبول نہ ہوگی جو آیات حکمت کی تردید و تغلیط کرے۔

مسئلہ باریک ہے۔ ایک اور طرح بھی سوچئے۔ مقابلہ دو حسی اور مرنی نعمتوں میں کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً لباس کے وقت پانی کی جو قیمت ہے وہ سونے کے پہاڑ کی بھی نہیں۔ یا بھوک کے وقت غذا کی جو قیمت ہے وہ ہیروں کی بھی نہیں۔ لیکن رضائے الہی کوئی ایسی حسی نعمت نہیں ہے جو کسی مظہر اور علامت کے بغیر حالی اور محسوس کی جا سکے۔ وہ محجوب کیفیت ہے۔ معانی کی طرح الفاظ میں بند۔ روح کی طرح جسم میں کار فرما۔ چھونے۔ دیکھنے۔ سونگھنے اور چکھنے سے بالاتر۔ پھر جنت کی حسی اور مرنی نعمتوں سے اس کا مقابلہ کیا۔ ان نعمتوں ہی کے ذریعہ تو سراخ لگے گا کہ اللہ رضی ہے۔ رضا کسی جسم شکل میں الگ ہو کر سامنے نہیں آ سکتی کہ انسانی حواس اسے گرفت میں لے سکیں۔ جنت کی حوریں ہوں۔ باغات ہوں۔ قیام گاہیں ہوں بشر و بآہوں۔ غذائیں ہوں ان سب کی رنگ میں رضائے الہی روح کی طرح جاری و ساری ہے۔ یا یوں کہئے کہ جیسے الفاظ کے لطف میں معانی سمائے رہتے ہیں یا یوں کہئے کہ جیسے کاغذ یا لوح پر لفظ آنے والے الفاظ کی نفس میں اس تسلیم کی جنبش و حرکت محفوظ و موجود ہے جس نے انھیں تحریر کیا ہے۔ ایسی صورت میں جنت کی حامل شدہ نعمتوں کو اور رضائے الہی کو الگ الگ بکدو سرے کے مقابل رکھنا اس قدر عجیب ہے کہ امام رازیؒ جیسے منطقی اور معقولی سے اس کا اتساق تم نظر بھی ہی کے مراد معلوم ہوتا ہے۔ یہ تو ایک شے کو خود اسی شے کے مقابل رکھنا ہوا۔ یہ ایسا ہی ہوا جیسے یوں کہا جائے کہ جزو بعض دفعہ کل سے بڑا ہوتا ہے کیونکہ مور کی دم اس کے باقی جسم سے بڑی ہے۔ اس قول میں عجیب یہ ہے کہ دم کو چھوڑ



# درس قرآن

آسان زبان میں قرآن سمجھنے کا بہترین سلسلہ

اُردو میں یوں تو اللہ کے فضل و کرم سے ایک سے ایک تفسیریں موجود ہیں لیکن ان کی علمی سطح کافی بلند ہے اسلئے ضرورت تھی کہ ایک ایسی تفسیر سامنے آئے جو علمی اعتبار سے تو مستند ہو لیکن زبان اور انداز بیان کے اعتبار سے بالکل عام فہم پر جس عورتوں اور نوجوان بچے اور کم پڑھے لکھے مرد بھی فائدہ اٹھا سکیں۔ یہ تفسیر جس کا نام درس قرآن ہے ایسی ہی تفسیر ہے۔ اصلاً یہ مولانا اثر نقوی کی تفسیر ہے اور حواشی مولانا ظفر احمد استاد دارالعلوم دیوبند کے ہیں۔ لیکن زبان کو نہایت آسان کر دیا گیا ہے۔

یہ تفسیر مکمل موجود ہے۔ حلی مجموعی قیمت ڈیڑھ سو روپے ہوئی ہے لیکن عام لوگوں کی آسانی کیلئے ہم نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ دس جلدیں الگ الگ بند بھرائی ہیں اور فی جلد بجائے پندرہ روپے کے بارہ روپے میں دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

ضرر یا دعا بیت: آپ دو روپے بھیج کر نمبر جن جسامیں تو ڈاک خرچ بھی آپ کو معاف ہوگا اور ہر جہے ایک جلد صرف بارہ روپے کے وی بی سے آپ کو بھیج دی جائے گی۔ اور اگر آپ مانی گنجائش کی کمی کے باعث یہ چاہیں کہ ہر جلد دو جہتے بعد بھیجی جائے تو ایسا بھی کر لیا جائے گا۔

گویا دو روپے فیس نمبری داخل کرنے کے بعد ڈیڑھ سو روپے قیمت کی مکمل تفسیر آپ کو صرف ایک سو بیس روپے میں مل جائیگی اور دس جلدیں مفت رہیں اور رقم بھی آسان قسطوں میں ادا ہوگی (جو لوگ مکمل تفسیر ایک ہی وقت میں لینا چاہیں انھیں فیس نمبری کے بغیر ہی ایک سو بیس روپے میں روئے دی جائے گی۔ البتہ اپنا ریلوے اسٹیشن ضرور لکھیں کہ ریل ریل ہمارے ذمہ ہوگا)

اس رعایت سے فوری فائدہ اٹھائیں

مکتبہ مستحقہ - دیوبند (دیوبند)

من مملکت نہیں کہا گیا مآ مملکت کہا گیا حالانکہ کنیزیں ذوی العقول اور ذی جان ہی ہوتی ہیں۔

وَلَا تُنكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ اور ان عورتوں سے نکاح مت  
مِنَ النِّسَاءِ (۲۲) کرو جن سے تمہارے باپکام کر چکے ہیں

عورتیں جائز اور ہی ہوتی ہیں مگر من نہیں مآ فرمایا گیا ایسی بہت مثالیں ہیں کہ مآ ذوی العقول کے لئے بولا جائے۔ اور اس سے بھی زیادہ ایسی مثالیں ہیں کہ مآ ذوی العقول اور غیر ذوی العقول دونوں کو شامل کر کے بولا جائے۔ اُردو میں بھی یہ استعمال نادر نہیں۔ کہ اچانکے کمر لیاں جگہ طوفان آیا اور جو کچھ تھا سب غرقاب ہو گیا۔ ”جو کچھ“ لفظ مآ ہی کا ترجمہ ہے۔ جائز اور غیر جائز اور سب اس جملے میں آگئے۔

اس کے برخلاف من بے جانوں کے لئے نہیں بولا جاتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مآ استعمال فرمایا جو سب کچھ اور جو کچھ کامرادت ہے۔ اس سے وہ بارہ کی نکالنا جو اہم رازی نے نکالی ہے اگر عقول ہے تو پھر مآ مملکت اور مآ نکم سے بھی یہی بارہ کی نکلی چاہئے۔ حالانکہ عورت خواہ وہ بیوی ہو یا نیر اتنی بے رتبہ اور بے قیمت تو نہیں ہے کہ مرد کے مقابلہ میں اسے جمادات و نباتات کا شامل سمجھ لیا جائے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ مذکورہ نکتہ اسی وقت قابل قدر ہو سکتا تھا جب کہ مآ کا استعمال صرف غیر ذوی العقول میں محدود ہوتا اور جائز اروں کے لئے یہ بولا ہی نہ جاتا مگر یہ خلاف واقعہ ہے لہذا نکتہ بھی بے محل ہی ہے۔ ہذا مآ عنای طالعلم عند اللہ۔

سورہ مائدہ کا ذکر تمام ہوا۔ بقیہ سورتوں پر اللہ آئندہ عرض کریں گے۔ البتہ میں لہذا عنی غلطیاں اور گرفت میں آتی ہیں انھیں محترم ناشر نوٹ فرمائیں۔

۲۲۹۔ اعراف آیت ۱۹۱۔ امثالکم در صحیح امثالکم

۲۵۹۔ انفال آیت ۵۶۔ خالفہم در صحیح خالفہم

۳۷۷۔ توبہ آیت ۲۹۔ لفظ بالیوم بدل لکھا گیا۔

مکتوبات مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی کے خطوط تمام اہل علم میں ایمان

معرفت اور شریعت و طریقت کا بخوبی سمجھنے کے ہیں۔ سلیس اردو ترجمہ کی صورت میں انھیں پڑھئے۔

قیمت مجلد اول۔ بارہ روپے ۵/۵ پیسے  
جلد دوم۔ پندرہ روپے ۵/۵ پیسے

حیات عبدالحی مولانا علی میاں کے خاتمہ زرنگار سے ایک ممتاز عالم دین اور خادمِ ملت کی ایک ایمان افروز سوانح۔ قیمت مجلد۔ گیارہ روپے۔

ماثر و معارف علوم حدیث، علوم فقہ، فنون اسلامیہ اور دیگر اہم موضوعات پر مولانا قاضی اظہار مبارک پوری کے ۲۵ عمدہ مقالات کا مجموعہ۔ قیمت۔ نو روپے

وحدۃ الوجود اہل معرفت کے مشہور مسلک "وحدۃ الوجود" پر محققانہ گفتگو۔ حضرت مجدد الف ثانی کا بیان اور اس کے اسرار مجلد۔ ڈھائی روپے۔

مکتوبات امدادیہ حضرت حاجی امداد اللہ کے قیمتی خطوط مع فوائد دار۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی۔ قیمت۔ سو اور پینس۔

قرآن اور تعبیر تعلیمات قرآنی کا خوب تصوف ڈاکٹر میرولی الدین کے قلم سے۔ قیمت۔ چھ روپے۔

عورت کیا کچھ کر سکتی ہے تاریخی شہادتوں کے ساتھ صحابی عورتوں کے وہ شاندار کارنامے جو تاریخ کی پیشانی پر ثبت ہو گئے۔ انداز بیان اس قدر عمدہ کہ بار بار پڑھنے کو دل چاہتا ہے۔ پیش نظر مولانا عامر عثمانی کا ہے۔ قیمت۔ دو روپے۔

غنیۃ الطالبین مصنف۔ شیخ عبدالقادر جیلانی۔ قیمت۔ بائیس روپے۔

تجارتی سود تاریخی اور فقہی نقطہ نظر سے جدید و قدیم دونوں علوم کی روشنی میں تجارتی سود پر گفتگو زبان سلیس، اسلوب شگفتہ۔ دلائل قوی، مواد محققانہ۔ قیمت۔ چھ روپے۔

احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت از۔ مولانا جی امینی، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ اس کتاب میں شرح و بسط کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ شریعت کے احکام زمانے کے تقاضوں اور تغیر پذیر حالتوں کا بھی لحاظ رکھتے ہیں۔ تمام مواد جو اول سے آراستہ۔ قیمت مجلد۔ آٹھ روپے۔

تختہ المتعلمین یہ کتاب مفید نوع کی ہدایات و نصائح کا مجموعہ ہے خاص طور پر طلباء اس کے مخاطب ہیں مگر تمام ہی مسلمان بھائیوں کے لئے بھی اسیں رہنمائی اور استفادے کا سامان موجود ہے۔ دو روپے ۶۰ پیسے

تفسیر رشیدی مولانا رشید احمد گنگوہی کے قلم سے یہ تفسیر آیات قرآنیہ کی قابل مطالعہ تفسیر، عارفانہ اور محققانہ۔ قیمت۔ ڈھائی روپے۔

انفاس عسییٰ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی کا تصنیف سے تصوف و شریعت، اخلاق، اصلاح معاشرہ اور دیگر بے شمار موضوعات پر دین و دانش کی روشنی میں دلچسپ اور روح پرور۔ اٹھارہ روپے۔

مدارج سلوک ڈاکٹر میرولی الدین کی مفید کتاب۔ موضوع نام سے ظاہر ہے۔ اس کا مطالعہ آپ کے لئے مفید ہوگا۔ ساڑھے پانچ روپے۔

مسنون دعائیں پاکٹ سائز۔ ہر لحاظ سے عمدہ۔ قیمت۔ ۷۰ پیسے۔

حقوق العلم از۔ مولانا اشرف علی تھانوی۔ علم کے آداب و حقوق۔ نثر میں ہدایات اور نصیحتیں۔ قیمت۔ ڈھائی روپے۔

مکتبہ تجلی۔ دیوبند (دیوبند)

وحیب ریحان ندوی  
لکچرار اسلامک انسٹیٹیوٹ، البیضا، لیبیا

## ایک جھوٹا مدعی نبوت ← مسیلمہ کذاب

علی من اتبع الهدی - اس پر ہو جو ہدایت کی اتباع  
اما بعد فان الود ضرر لکم - کرے، اما بعد، پس بیشک زمین  
یوسر تها من یشاء من عباده والاعاقبة للمتقين - اللہ کی ہے وارث بنانا ہے اس کا  
دنا ریح طبری، دار المعارف سے اور عاقبت (آخرت یا دنیا  
مصر- ۳-۱۶۲-۱۰-۱۹۳۹ء - میں انجام کے طور پر کامیابی)  
"سیر ابن ہشام، مصطفیٰ الحلبي، متقین کے لئے ہے۔

مصر، ۲۲: ۲۲۷

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس خط و کتابت میں جو  
چیزیں نمایاں ہیں ان پر مختصر تبصرہ کر دیا جائے۔

(۱) مسیلمہ نے رسول پاک کی رسالت سے انکار نہیں کیا  
تھا بلکہ صاف آپ کو رسول اللہ لکھا تھا، لیکن ساتھ ہی ساتھ  
اپنی رسالت کا دعویٰ بھی کیا تھا اور یہ دعویٰ خاتم النبیین  
والمرسلین کی موجودگی میں یا آپ کے بعد قیام قیامت تک  
ایک غیر شرعی دعویٰ ہے جو کفر کو مستلزم ہے۔ چاہے وہ  
رسول اسلام کی رسالت و نبوت کے اقرار کے ساتھ کیا  
جائے یا انکار کے ساتھ۔

(۲) صرف یہ دعویٰ کرنے والا ہی کفر و ارتداد کا مجرم  
بن کر جہاد و قتل کا مستوجب نہیں ٹھہرتا بلکہ وہ اس کے  
دعوے پر یقین کرنے والے اور اس کی رسالت و نبوت کو  
تسلیم کرنے والے بھی اسی شمار میں آجاتے ہیں حضور پاک  
نے صاف فرما دیا ہے کہ اگر سفر اور قتل کئے جاتے تو میں تم دونوں  
کی گردن مار دیتا۔ یہ واضح ہے کہ سفر اور قتل کئے قدیم و

آج ایک ایسے بڑے دجال کا قصہ بیان کرنا چاہتا  
ہوں جو نطق نبوی سے کذاب کا لقب پا چکا تھا۔ مسیلمہ  
ابن صیب الکنانی نے زلزلہ میں حضور الود کے پاس دو  
آدمیوں کے ہاتھ ایک خط ارسال کیا تھا جس کی نعت  
طبری سے پیش خدمت ہے :-

من مسیلمہ رسول اللہ رسول اللہ کی طرف سے رسول  
الی محمد رسول اللہ اللہ محمد کے پاس۔ سلام ہو بیشک  
سلام علیک، فاتحی میں تھارے ساتھ معاند (نبوت)  
قد انشکت والحصر میں شریک کر لیا گیا ہوں اور ہمارے  
معك وان لنا نصف لئے نصف زمین ہے اور نصف  
الارض والقریش نصف قریش کے لئے لیکن قریش زیادتی  
الارض ولكن قریشا کرنے والی قوم (جماعت) ہے  
قوم یعتادون۔

مسیلمہ کا خط سن کر حضور نے دونوں سفیروں سے پوچھا  
کہ تمہارا کیا خیال ہے۔ انھوں نے جواب دیا وہی جو اس کا  
(مسیلمہ کا) خیال ہے۔ حضور نے یہ سکر ارشاد فرمایا :-

اما والله لو لاد ان الرسل اللہ کی قسم اگر یہ اتنا ہوتی کہ سفیروں کو  
لا تقتل لضربت اعناقکمما قتل نہیں کیا جاتا تو میں تم دونوں کی  
گردن مار دیتا۔

پھر مسیلمہ کے خط کا جواب اس طرح لکھوا یا :-  
بسم الله الرحمن الرحيم - بسم الله الرحمن الرحيم رسول الله  
من محمد رسول الله محمد کی طرف سے بہت بڑے  
مسیلمہ الکنانی - سلام جھوٹے مسیلمہ کے پاس، سلامتی

ماننے والوں کو صدیق اکبرؑ کی طرف سے مل گئی تھی۔ فقہائے کرام نے مرتد کی توبہ کے متعلق نیز جہالت وغیرہ کے سلسلے میں تفصیلی بحث کی ہے۔ صحیح ترین قول یہی ہے کہ اسکی توبہ قبول کی جائے گی اور سوچنے کی جہالت بھی دی جائے گی اور اسکی کے پیش نظر قرآن و حدیث میں بھی توبہ اور معافی کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہوا ہے اور صدیق اکبرؑ نے بھی تمام مرتدین مدعیان نبوت اور مانعین زکوٰۃ کو معافی کا کھلا ہوا خط لکھ دیا تھا۔ جن میں معافی کی شرط دوبارہ مکمل اسلام میں داخل ہونا بھی۔

(۷) زمین اللہ کی ہے جس کو چاہتے ہیں دیتے ہیں۔ اس عبادت میں دراصل ایک دعویٰ اور دوسری پیشین گوئی بھی ہے جو تاریخ اسلامی و انسانی کی زینت بنی ہوئی ہے۔ دعویٰ یہ ہے کہ زمین اللہ کی ہے اور اس نے مجھے نبوت اور حکومت کے دونوں منصبوں پر فائز کیا ہے اس لئے یہ اللہ کی دین ہے۔ تمہارا یہ دعویٰ کہ زمین قریش یا غیر قریش کی ہے سرے سے بے بنیاد دعویٰ ہے۔ زمین صرف اللہ کی ہے اور اس نے مجھے اس خطہ زمین پر متمکن بنایا ہے۔ خدا کی اس دین پر حسد نہ کرو اور نہ خدا کی چیز کی نسبت دوسروں کی طرف کرو۔ پیشین گوئی اس عبادت میں یہ ہے کہ میرے خلفائے حق جو اسلام پر مضبوطی سے چلتے رہیں گے اور مکمل اسلام کے قائل ہوں گے اور حق و صداقت و تقویٰ کے امین ہوں گے وہ اس وراثت ارضی اور خلافت الہی کے پاسان مقرر کئے جائیں گے۔ تاریخ نے اس پیشین گوئی کی حرف بحرف تصدیق کی اور صدیق اکبرؑ اور تمام صحابہ کرامؓ کے برسر حق ہونے کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے کیونکہ سیلم نے نبوت میں شرکت، نصف زمین اور حکومت کا دعویٰ کیا تھا۔ کامیابی اس کو ان دعویوں میں سے کسی میں بھی نہیں ہوئی اور نہ کامی بجائے خود اس کے چھوٹے ہونے کی دلیل ہے کیونکہ انبیاء کے اقوال و دعویٰ پیشین گوئیاں رانی کے دانے کی برابر بھی غلط نہیں ہوتیں اور اراثت ارضی اور خلافت اور کامیابی اور جنت صدیق اکبرؑ اور مؤمنین کے حصہ میں آئی اور تباہی، بربادی، قتل و ہزیمت اور جہنم سیلم کے حصہ میں آئے۔ اور اسلام کی کامیابی اور مسلمانوں کی فتح اس آیت کے

جدید عرف میں بھی مامون ہوتے ہیں اور شریعت نے بھی ان کی جان و مال کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ اس لئے انکو قتل نہیں کیا گیا۔

(۳) حضور پاکؐ نے تفصیل و تحقیق طلب کئے بغیر اور بلا تاخیر یہ فیصلہ کیا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ کسی بھی رسالت نبوت کے دعوے دار کی تحقیق تو اس صورت میں کی جاتی جب یہ کام ممکن الوقوع ہوتا۔ لیکن جب یہ دروازہ بند ہو چکا اور اسلامی عقیدہ کی رو سے اب کوئی نیا رسول یا نبی پیدا ہی نہیں ہو سکتا تو پھر اس دعوے کی صحت کی تحقیق ایک لایعنی کام ہے جس کی ضرورت نہیں۔

(۴) سیلمہ کو آپ نے اسی لئے بلا تاخیر و تحقیق کڈا بہت بڑا جھوٹا کے لقب سے پکارا۔ ”کاذب“ کا لفظ بھی کہا جاسکتا تھا جس کے معنی صرف جھوٹے کے ہوتے، لیکن مبالغہ کا صیغہ اس لئے استعمال کیا کہ کسی جھوٹے شخص کی بات میں ایک فیصد امکان سچ کا بھی ہوتا ہے لیکن اس دعوے میں تو صحت کا امکان لاکھوں اور کروڑوں میں ایک مرتبہ بھی محال اور غیر ممکن ہے اس لئے اس سے بڑھ کر جھوٹ بات اور کوئی دوسری نہیں ہو سکتی۔

(۵) سلام علی من اتبع الهدی کے جملے سے بھی یہ بات واضح ہے کہ یہ سلام آپ ان لوگوں کو لکھتے تھے جو کفر کی حالت میں ہوتے تھے اور مسلمان نہیں ہوتے تھے اس لئے سیلمہ بھی اس خطاب کی رو سے اسلام کے دائرے سے خارج ہو گیا اور ہر حال اس کے خارج از اسلام ہونے میں کسی کو کوئی اختلاف بھی نہیں ہے۔

(۶) سلام کے الفاظ میں دوبارہ اسلام میں داخل ہونے اور توبہ قبول ہونے کے امکان کا اشارہ بھی پوشیدہ ہے اس لئے اگر وہ دعوے نبوت سے دست بردار ہو جاتا اور توبہ و رجوع کی شرطوں کو قبول کر لیتا تو اسے قرآن کی ہدایت اور خاتم المرسلین و انبیاء کی اطاعت کے ذریعہ سلامتی دوبارہ حاصل ہو جاتی جیسے کہ مدعیہ نبوت سماح اور دوسرے جھوٹے نبیوں کے

بھی مصداق ہے جس میں مرتدین کے لئے مومن و محبوب گروہ کی آمد کا وعدہ کیا گیا ہے اور یقیناً صدیق اکبرؓ اور ان کے تمام ساتھی جنھوں نے مرتدین سے قتال کیا یا آپ کے ہاتھ پر بیعت کی سب کے سب خدا کے محبوب تھے، رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ آیت ملاحظہ ہو:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا  
مَنْ يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن  
دِينِهِ فَمَا يَفْعَلُ اللَّهُ  
بِقَوْمٍ مِّثْلِهِمْ وَلَا يَجِدُ  
أَذًى لَهُمْ عَلَى اللَّهِ  
وَالْمُؤْمِنِينَ  
أَشْرًا وَ عَلَى الْكَافِرِينَ  
يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ  
اللَّهِ لَعَلَّ يَحْفَظُونَ لِدِينِهِ  
لَا تُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ  
اللَّهِ لَعَلَّ يَحْفَظُونَ لِدِينِهِ  
لَا تُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ  
اللَّهِ لَعَلَّ يَحْفَظُونَ لِدِينِهِ

یہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ (مائدہ - ۵۴)

(۸) آخری بات یہ ہے کہ کتنی بڑی سعادت مسلمانوں کے حصے میں آئی تھی کہ وہ سلسلہ میں بنی حنیفہ کے وفد کیساتھ مدینہ آیا تھا، ابن اثیر نے (الکامل فی التاریخ، ص ۲۹۸-۲) صرف ایک روایت لکھی ہے جس سے اس کی حضورؐ سے ملاقات کی تصریح ہے ابن ہشام (۲-۲۷۲) اور طبری (۳-۱۳۷، ۱۷۳۸) نے دور روایتیں لکھی ہیں۔ ایک جس سے ملاقات ثابت ہوئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب وفد بیلیمہ کو ساتھ لایا تو حضورؐ صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ آپ کے دست مبارک میں بھجور کی چھال کی لکڑی تھی۔ اس نے حضورؐ سے بات کی حضورؐ نے اس سے فرمایا "اگر تم مجھ سے یہ لکڑی جو میرے ہاتھ میں ہے مانگو تو میں تمہیں یہ بھی نہیں دوں گا۔" دوسری روایت اس سے مختلف ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "بنی حنیفہ حضورؐ کے پاس آئے اور بیلیمہ کو پڑاؤ کی جگہ ہی چھوڑ دیا پھر جب وہ اسلام لے آئے تو

انھوں نے حضورؐ سے کہا ہم نے اپنے ایک ساتھی کو سوار کیا اور سامان کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ حضورؐ نے اس کے لئے بھی دوہی (عطا) دیئے جانے کا حکم دیا جو دو سر لوگوں کو دی گئی تھی اور آپ نے فرمایا وہ تم میں سب سے ہرا آدمی نہیں ہے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے سامان کی حفاظت کر رہا ہے۔ پھر جب بیلیمہ بمقامہ پہنچا تو اللہ کا دشمن مرتد ہو گیا اور جھوٹ بولا اور پیشین گوئیاں کرنے لگا اور کہا کہ مجھے محمدؐ کے ساتھ شریک بنا لیا گیا ہے کیا تمہیں یاد نہیں کہ انھوں نے کہا تھا کہ میں سب سے ہرا آدمی نہیں۔ یہ اس لئے کہ انھیں معلوم تھا کہ میں ان کے ساتھ نبوت میں شریک کر لیا گیا ہوں اور وہ اس کی گواہی دیتا رہا کہ رسول اللہؐ اللہ کے نبی ہیں۔"

ابن ہشام اور طبری نے دونوں روایتیں بیان کر دی ہیں، لیکن ان دونوں کو ایک دوسرے سے مختلف اور متعارض سمجھتے ہوئے ان کی کوئی توجیہ اور توفیق پیش نہیں کی ہے، بلکہ واضح طور پر دوسری روایت کے متعلق لکھا ہے کہ "ان حدیثہ کان علی غیر ہذا" یعنی "دوسری بات پہلی سے بالکل مختلف ہے۔" دونوں کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ پہلی روایت صحیح ہے۔ کیونکہ اس کی سند بہر حال اس طرح ہے کہ "حدیثی بعض علماء منا من اهل المدينة۔" دوسری بات یہ ہے کہ پہلی اسی روایت کو بیان کیلئے اور کسی قسم کے شک کا اظہار نہیں کیا ہے۔ اس کے باوجود بل دوسری روایت بنی حنیفہ کے ایک جمہول شیخ (بوڑھے) سے بیان کی گئی ہے اور لفظ زعم کے ساتھ بیان ہوئی ہے جو شک اور ضعف کی علامت ہے۔

لیکن راقم کے خیال میں ان دونوں روایتوں میں کسی قسم کا تعارض نہیں ہے اور بہت آسانی سے ان میں توفیق پیدا کیا جاسکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ دونوں روایتیں دراصل ایک ہی قصہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ اختصار کی غرض سے یادوں پر روایتوں کے راویوں کی اپنی معلومات کے مطابق اس قصہ کی بعض کڑیاں دونوں روایتوں میں

چھوٹ گئی ہیں اور ایسا محسوس ہونے لگا ہے کہ اگر پہلی ریت کو تسلیم کیا جائے تو سیلہ کی حضور سے ملاقات ثابت ہوتی ہے اور اگر دوسری پر اعتبار کیا جائے تو ملاقات ثابت نہیں ہوتی۔ حالانکہ عفتی طور پر اس واقعہ کے اس طرح رونما ہونے میں کوئی قباحت نہیں ہے کہ پہلی دفعہ جب یہ وفد حضور کے پاس پہنچا ہو تو اس میں سیلہ نہ ہو اور وہ اپنے قافلے میں کسی خیمے کے اندر رک گیا ہو۔ جب نبی حنیفہ کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور حضور کی محبت، سہار دی اور جو دستا کا مظاہرہ دکھا تو انھوں نے سیلہ کا تذکرہ کیا ہو۔ آپ نے اپنے کرم اور بخشش کے فطری تقاضے اور تالیف قلب کی خاطر اس کو بھی وہی انعام و بخشش عطا کی ہو جو قبیلے کے موجود اشخاص کو عطا کی تھی اور قافلہ کی نگرانی کیونکہ ایک شخص اور پسندیدہ کام تھا اور اس سے ساتھیوں کے مال اور سامان کی حفاظت ہوتی تھی اس لئے آپ نے یہ تعریفی جملہ بھی ارشاد فرمایا ہو کہ ”وہ تم میں کامر ہے برادھی پیر ہے۔“ یعنی وہ اچھا آدمی ہے۔ غلام یا نوکر ہونے کی وجہ سے قافلہ کی دیکھ بھال نہیں کر رہا بلکہ جذبہ خیر اور سہار دی کے ماتحت یہ کام کر رہا ہے جب قبیلے کے افراد مجلس نبوی سے واپس ہوئے ہوں تو قافلے کی نگرانی کے لئے دوسرے آدمی وہاں رہ گئے ہوں اور سیلہ اس عطار و بخشش کا شکر یہ ادا کرنے اور آپ سے ملنے اپنے ساتھیوں کے ساتھ آیا ہو، کیوں کہ یہ بات عقلی طور پر سمجھ میں نہیں آسکتی کہ سفر کی مشقتیں تحمل کر دینے آئے اور حضور سے ملاقات کے بغیر جلا جاتے بہر حال جب وہ ملاقات کو آیا ہو تو اس نے دوران گفتگو کسی ایسی چیز کی طلب کی ہو جو غیر محقول ہو اور آپ نے اس کو یہ جواب دیا ہو کہ اگر تم مجھ سے بھجور کی یہ جھال مانگو تو وہ بھی نہ دوں، بجائے خود یہ جملہ مکمل تفصیل کا محتاج ہے۔ راوی کا یا ابن ہشام دطبری کا ستم اسے نہ کہتے تو اور کیا کہتے کہ قصہ کی جان اور حقیقت حال تک پہنچنے کے لئے جو سب سے ضروری چیز تھی وہی روایت میں موجود نہیں ہے۔ یعنی یہ کہ اس نے حضور سے

کیا گفتگو کی؟ کیا چیز مانگی؟ جس کی وجہ سے آپ نے اسے معمولی سی چیز دینے سے بھی انکار کر دیا حالانکہ حضور کی جود سخا اور سب سے مصلحت و تالیف قلب اور حلم کا تقاضہ ہمیشہ یہی ہونا تھا کہ آپ ملنے والے کو رد نہیں کیا کرتے تھے، بلکہ اس سے پہلے ہی اس کو اس کے ساتھیوں کے برابر عطیہ دے چکے تھے، راقم تاریخی صحت کا دعویٰ تو نہیں کر سکتا لیکن یہاں اس کی توجیہ کے لئے بھی عقلی ریاضت کے بعد وہی باتیں ممکن ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس نے اپنے ساتھیوں پر ترہ نفع کے لئے یا حرص و طمع کی وجہ سے ان سے زیادہ کسی چیز کا مطالبہ کیا ہو اور حضور نے عام مصلحت کے خلاف اور برابری کے اصول کے پیش نظر اسے مزید کچھ بھی دینے سے انکار کر دیا ہو۔ دوسری بات یہ ممکن ہے کہ اس میں سرداری، حکومت اور لیڈری کا جذبہ نہ تھا، جو جس کا اظہار بعد میں ہوا، اور اس نے حضور سے اس قسم کی کوئی چیز گور نہی، ریاست باسرداری وغیرہ جیسا کوئی منصب مانگا ہو اور آپ نے نوریوت اور فرامست مومن کے پیش نظر اسے اس سے محروم رکھنا ہی مناسب سمجھا۔

الغرض ان دونوں روایتوں میں تو اتفاق کے بعد یہ بات بہر حال ثابت ہو جاتی ہے کہ سیلہ آپ سے ملا تھا اور آپ کی عطا و بخشش بھی اس نے حاصل کی تھی۔

یقیناً یہ بہت بڑی سعادت تھی جو اسے ملی تھی، لیکن اس سعادت کی ناقدری کی اور کبھی نہ حتم ہونے والی شقاوت اپنے نام کے ساتھ قیامت تک کھلتے حاصل کر لی اور نص قرآنی کی رو سے دنیا میں نامراد اور آخرت میں ناکام ہوا۔ ارشاد باری ہے :-

اور جو تم میں سے دین مرنده ہو گیا اور اس حالت میں ہر اک وہ کافر ہو، تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا و آخرت میں ضائع ہو جائیں اور وہ آگ لے لے ہوں گے اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَمَنْ يَبْرُكْ مِنْكُمْ عَرَفَ  
دِينَهُ فَمِثْلُ وَهْوِ كَافِرًا  
فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ  
فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ  
وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ  
هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

(بقرہ - ۲۱۷)

لہذا میں ان بچاروں کا کیا تصور۔ راویوں سے جتنا انہیں پہنچا بیان کر دیا۔ جو نہیں پہنچا اسے کیسے بیان کرتے۔ (تجلی)

شریک پیدا کر دیئے جو اس اہم کام پر اپنا سرفراز سے ادنیٰ  
کئے ہوئے تھے۔

دنیا میں موت اور قتل کے علاوہ بھی اس بڑی ذات  
اور رسوائی اور جگہ ہنسائی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسکی رسالت  
ذہنوت کا نشان آنا فنا میراب بلکہ حجاب کی طرح مرٹ  
گیا۔ اس کے ساتھیوں اور متبعین نے جو زندہ بچے اس کی  
نبوت سے انکار کر دیا۔ جھوٹے نبیوں کی فہرست میں تاسیخ  
کے صفحات پر عبرت کے لئے اور مومنین کے قلب میں نفرت  
کے لئے وہ باقی رہ گیا۔ نطق نبوی سے وہ کذاب کے لقب سے  
قیامت تک کے لئے ملقب ہو گیا اور آیت قرآنی کی روشنی  
میں کافر اور مرتد بھی اس کے جلی اوصاف بن کر نمودار ہو گئے  
”خسر الذین والوا الاخرى ذلك هو الخسران العبین“  
کی جتنی جاگتی تصویر مسیلمہ سے زیادہ عبرت ناک اور کون سی ہو  
سکتی ہے؟

(۱۰) قصہ مختصر یہ کہ مسیلمہ یا کوئی شخص بھی اگر جھوٹا دعویٰ  
یہ کرے کہ وہ عالم ولی بزرگ، صوفی، مصلح، رفیق مراد  
معدیے یا کوئی ایسا دعویٰ جس کی ایک فیصد بھی تاویل ممکن ہے  
یا کسی ضعیف روایت سے بھی وہ ثابت ہو سکتا ہے تو اس  
دعوے میں جھوٹا ہونے کی صورت میں ہم اسے صرف جھوٹا  
ہی کہیں گے، کذاب یا مرتد اور کافر نہیں کہیں گے کیونکہ اس کا  
دعویٰ جھوٹا ہی لیکن ممکن الوقوع بہر حال ہے۔ لیکن اگر کوئی  
رسالت یا نبوت کا دعویٰ کرے تو ہم اسے کذاب مرتد اور  
کافر کہنے سے نہ چوکیں گے۔ کیونکہ اس نے وہ سب بڑا جھوٹا  
دعویٰ کیا ہے جو خاتم النبیین والمرسلین کے بعد کسی کے لئے  
ممكن الوقوع ہی نہیں، مستنع الوقوع ہے بلکہ مستحیل الوقوع  
یا کسی ایسی چیز کا دعویٰ کر دے جس کی تاویل سابق فی الشرع ممکن  
ہی نہیں اور وہ صریح اور واضح نصوص کے خلاف ہے تو اسے  
بھی تو یہ کامشورہ دیا جائے گا اور اس کو قبول کئے بغیر وہ اسلام  
میں داخل نہ ہو سکے گا۔ آئندہ مقالے میں ہم انشاء اللہ خدا  
پر جھوٹا باندھنے اور جھوٹے دعوے کرنے والوں کا ختم ناک  
دعوت ناک انجام آیات قرآنی کی روشنی میں پیش کریں گے =

آخرت کے عذاب اور اذیت کا تو کوئی اندازہ ہی  
نہیں لگایا جا سکتا لیکن دنیا میں اعمال کے تباہ ہو جانے اور  
خسارہ کا مشاہدہ تو ہر وہ شخص کر سکتا ہے جو تاریخ سے تھوڑا  
بہتر بھی واقف ہے اور گورنمنٹس شنوا اور دیدہ عبرت رکھتا  
ہے۔

(۹) زندگی کا انجام بہر حال موت ہے۔ کامیاب ترین  
موت وہ ہے جو اسلام کی حالت میں ہو، کلمہ شہادت کی  
شیرینی لبوں پر مسکرا رہی ہو اور نقائے الہی کی سرت دل  
کو گدگد رہی ہو۔ پھر سب سے بڑی قابل رشک موت وہ  
ہے جو اسلام کے مخالفوں کے خلاف جہاد کرتے ہوئے جام  
شہادت کی شکل میں آئے اور سب سے خسارے والی موت  
وہ ہے جو کفر و شرک یا ارتداد اور اسلام سے خروج کی صورت  
میں ہو اور اہل اسلام و ایمان کے خلاف جنگ کرتے ہوئے  
میدان جنگ میں قتل کی صورت میں دیوچے۔ مسیلمہ ہزاروں  
ہزار کی فوج اور اسلحہ سے لیس جنگجو سپاہیوں کے نادر اور  
غیر معمولی جوہر شجاعت کے باوجود خلیفہ رسول اللہ کی ارسال  
کردہ ایران یقین سے بہترین مجاہدین کی فوج ظفر موج کے  
مقابلے میں شکست فاش سے دوچار ہوا۔ بے یار و مددگار  
قتل ہوا۔ جبیر ابن مطعم کے مولیٰ، قابل حضرت حمزہ وحشی  
کی توبہ گو خدا نے قبول کر لی تھی اور اسلام میں داخل ہونے  
کی سعادت بھی اسے مل گئی تھی اور رسول پاک نے اسے ابن  
عقوف میں جگہ بھی دے دی تھی۔ لیکن اس کے نبرہ نے مسیلمہ  
کے دل میں چھید کر کے ایک قادیم قلبی عدم طمانیت کے بدلے  
اپنے دل کے خوشوں کو اطمینان و سکون کی دولت سے محروم  
کر لیا۔ اور کفر کی حالت میں ”اللہ کے شیر“ کو شہید کرنے کا  
کھارہ اس نے اسلام کی حالت میں ”مدعی نبوت“ کذاب  
دجال“ کو قتل کر کے ادا کیا اور ساتھ ہی ساتھ ایک مومن  
انصاری کی تلوار نے مسیلمہ پر قاتلانہ وار کر کے دین الہی کے  
لئے انصاری کی نصرت کی لاج ایک بار پھر رکھی۔ مسیلمہ نے  
نبوت میں شرکت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا، تعجب نہیں کہ  
قام ازل نے اسی لئے اس کے قتل میں بھی دو برابر کے

## شعر و سخن

۱۹۷۰ء کی منتخب شاعری | کمار پاشی اور پرتیم گوپال متل کی مرتب کردہ - مجلد میں روپے ۲۰

صنوبروں کا شہر | اسہل احمد زیدی کا مجموعہ کلام - قیمت مجلد - سو ادو روپے

سیرہ بر سفید | محمود سعیدی کا مجموعہ کلام - قیمت - ساڑھے چار روپے

کلیات اختر شیرانی | شاعر و مان اختر شیرانی کا شاندار مجموعہ کلام - قیمت مجلد چھ روپے

دا ان باغبان | بعض منتخب شعراء کا کلام تنقید و تبصرہ کے ساتھ - قیمت - پانچ روپے

کلیات اقبال | ڈاکٹر اقبال کے شعری نعل و جواہر کا مجموعہ - قیمت مجلد - سات روپے ۵ پیسے

کلیات اکبر | اکبر الہ آبادی کے شاندار کلام کا ذخیرہ - دو جلدوں میں - ہر جلد جیسا روپے

معروف اسلام پسند شاعر حفیظ امیر علی کے شعر و شعور | نغمہ ہائے لطیف - مجلد - تین روپے

نیم باز | نوجوان لیکن سچے گو شاعر عنوان حسنی کا مجموعہ سخن - قیمت مجلد - چار روپے

آتش گل | گل مراد آبادی کے گلہائے نغزل - قیمت مجلد - چھ روپے

## چند درسی کتابیں

اردو ہندی لغت | ہر اردو لفظ کا ہندی مرادف آپ حروف تہجی کے اعتبار سے نکال سکتے ہیں - قیمت مجلد - ساڑھے چار روپے

پہلا سبق - (اردو قاعدہ) - - - - - پچاس پیسے

تاج محل - - - - - ایک روپیہ

جانسن پرائمری (انگریزی کیلئے) - - - - - ۶۲ پیسے

جانسن ریڈر بک (حصہ اول) - - - - - ۶۲ پیسے

## پھول کی طرح تروتازہ

اگر جلدی امراض یا فساد خون کی شکایت ہو تو چہرہ پڑمردہ نظر آتا ہے

## خون صفا



پھوڑے پھنسی خارش اور داد سے نجات دے  
گرہم اوچیرے کو پھول کی طرح تروتازہ رکھتا ہے

دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

## آغاز خلافت راشدہ

جناب حضرت صدیقؓ کی تقریر کیا کہیے  
 تذبذب کے افق پر خاورِ شرح و یقین آیا  
 خلوص و حکمت و ارشاد کی تاثیر کیا کہیے  
 سیاست کی انگوٹھی پر صد اقت کا نگین آیا  
 بنا تھی سر پھرے جذبات پر ان کے خیالوں کی  
 جھگڑنا چاہتے تھے وہ متاعِ شہریاری پر  
 بھروسہ تھا انھیں اپنی خوردی پختہ کاری پر  
 مگر جو مقتدر تھے دیدہ و در تھے اہلِ دانش تھے  
 کلام پر اثر نہ کر دینے نالیف دل ان کے

بشیر ابن سعد اٹھے بصدِ اخلاص فرمایا

کہ بیشک جاوہِ انصاف اب ہم کو نظر آیا

سنو! اے حالانِ دین اے اخوانِ انصاری!  
 نہیں تھا اس کا مقصد عزت و توقیر دنیا کی  
 بہ توفیقِ خدا جو بھی ہوئی تم سے نکو کاری  
 رضامندی فقط منظور تھی معبودِ اعلیٰ کی  
 کیا جو کچھ بھی تم نے صرف دینِ اللہ کی خاطر  
 جسے بھولے سے بھی ناز و غرورِ دینِ داری ہے  
 نہ سیم و زر کے لالچ میں نہ حُریتِ جاہ کی خاطر  
 تنجیل اس کا بے حد مبتذل ہے کاروباری ہے

متاعِ سروری حق ہے قریشی خانوادے کا

دہانہ بند کر دو قننہ و شرکے ارادے کا

جناب حضرت صدیق پھر بولے کہ اے لوگو  
 یہ دونوں برگزیدہ ہیں جیسا کہ برتری انکی  
 جو اباعرض کی حضرت عمرؓ اور ابو عبیدہؓ نے  
 نبیؐ کی جانشینی آپ کے حق میں مقدم ہے  
 نہیں ہے کوئی ہمسرا آپ کا اربابِ ہجرت میں  
 بڑائی اور کیا ہو آپ کی ذاتِ معظمہ کی  
 سہے ہیں آپ غارِ ثور میں دسازِ پیغمبرؐ

عشر اور ابو عبیدہؓ میں کسی کو منتخب کر لو  
 فلاح و فوز کا باعث بنے گی سرورِ می انکی  
 نہیں ہم لائق تاجِ خلافت آپ کے آگے  
 جناب مصطفیٰؐ سے آپ کی قربت مسلم ہے  
 فزوں سے سب سے حصہ آپ کا یمن و سعادت میں  
 امامت آپ نے کی ہے نمازِ فخرِ آدم کی  
 کہاں سے کوئی حقدار امامت آپ سے بڑھ کر

یہ فرماتے ہوئے آگے بڑھے بیعت کی تیرے

کیا تعمیل حکمِ فرض کا اقدام ہرے

ادھر آگے بڑھے حضرت بشیرِ پاکِ طینت بھی  
 یہ بیعت سنگِ بنیادی تھی ایوانِ خلافت کی  
 خیال و فکر کی تہہ سے دبے جذبے اُبھر آئے  
 بڑھے اربابِ اخلاص و فایوت پر بیعت کی  
 خیر پھیلی تو ہر جانب سے دڑے حق کے شہدائی  
 قبیلہ در قبیلہ سلسلہ در سلسلہ آیا  
 ہو اظاہر عوام الناس میں صدیقِ رضویؐ

خاص و شوق کے جذبے میں سبقت کر کے بیعت کی  
 یہیں سے شمع روشن ہو گئی نورِ ہدایت کی  
 اہو گر ما گیا اُترے ہوئے چہرے نکھر آئے  
 یہ اعلانِ جلی تسلیمِ صحتِ یقی امامت کی  
 حقیقی بے ریا جمہوریت کی شان دکھلائی  
 رضامندی کی جہر میں ثبت کرنے پر ملا آیا  
 نہیں باقی رہی جمہوریت کے باب میں خامی

دو فرسخن سے فق ہو گیا شیطان کا چہرا

بڑے موذی بڑے غارتگر ایمان کا چہرا

مجھے میرا سفر نہلت اگر دیتا ٹھہرنے کی  
تو یہ پڑچ منزل تھی بہت کچھ کہہ گزرنے کی  
بیاں کرتا کہ جمہوری حکومت کس کہتے ہیں  
خلافت کیا ہے اسلامی سیاست کس کو کہتے ہیں  
بیاں کرتا کہ کیا ہے انتخاب عام کا مطلب  
ضروری مشورتی الامم کے پیغام کا مطلب  
سیر و تاج کیا ہیں دینِ قیم کی عدالت میں  
حقیقی فرق کیا ہے بادشاہت اور خلافت میں  
یہ دنیا آج جو جمہوریت کے راگ گاتی ہے  
مکمل انتخاب عام کے نعرے لگاتی ہے  
بیاں کرتا کہ کتنی شیطنیت ہے اس کے نعروں میں  
بیاں کرتا کہ کتنا مکرو فن ہے اسکے راگوں میں  
حسین الفاظ ہونٹوں پر خیالوں میں یا کاری  
مکلف تربیت پائی ہوئی پُر کار عیساری  
یہ زخمی نوع انسانی کی ہماردی کے نقارے  
یہ فرعونوں کے شہادوں کے ہامانوں کے ہر کارے  
ہر اک خواجہ سرا الفاظ کے شیشہ گروں میں ہے  
اہو جمہور کا جمہوریت کے ساغروں میں ہے

بیاں کرتا۔ مگر افسوس میں کیا کیا بیاں کرتا

کہاں تک گفتگو کو داستان در داستان کرتا

سفر دشوار منزل دور ہے رفتار مدہم ہے  
بہت نہیں ندگی کی الجھنیں اور زندگی کم ہے  
ابھی کہنی ہیں جگہ کو داستانیں تیس سالوں کی  
کرو جگہ شرح کس کس موڑ پر اپنے خیالوں کی

مناسب ہے کہ بحث این و آں کو مختصر کروں

قلم کو صرف تاریخی بیان میں منحصر کروں

## ایک تصویر یا خواب

مرے اشعار کا ہر پڑھنے والا منتظر ہوگا کہ اب ہونے کو ہے ذکر و بیانِ دینِ ہمیر کا  
یہی میرا زادہ تھا کہ اس منزل سے ہو گذروں اگر ممکن نہ ہو ضبط و تشکیبانی تو رو گذروں  
ہر ایک تفصیل تاریخوں سے لایا جستجو کر کے حدیثوں پر نظر دوڑائی اشکوں سے وضو کر کے  
اٹھایا بارہا انگشت لرزاں میں قلم میں نے کیا محسوس قلبِ روح میں صدیوں کا غم میں نے  
تصویر بن گیا آئینہ ایامِ پارینہ جھلٹی ہو گئیں نظریں کشادہ ہو گیا سینہ  
سرخِ ماضی سے پردہ اٹھ گیا صدیوں کی دوری کا مزالینے لگے کام و دہن کیفِ حضورِ کا

نظر آیا کہ جو خواب ہے ایک جسم نورانی

چمکتی ہے مثالِ صبح صادق جسکی پیشانی

عجب اک حسن لاہوتی عیان ہے جسکے چہرے پر عجب اک مسکراہٹِ ضوفاں جسکے چہرے پر

ادائے خاموشی گنجینہ کیفِ تکلم ہے سرخِ سنجیدگی آئینہ حسنِ تبسم ہے

تبسم آہ وہ جاں بخش و دل افروز بے پایاں

تبسم آہ وہ روشن ستاروں کی طرح تاباں

تبسم جیسے بادِ صبح سے دھلکی ہوئی شبم  
تبسم جیسے طاقِ تیرگی میں شمع جل جائے  
تبسم جیسے نورِ صبح کی معصوم رعنائی  
تبسم ابھی جو احساس کی رگ گدین چالی ہے

اچانک آج گردوں سے ندا آئی کہ اے عالم

غلامِ این و آں! محکومِ دانش! بندہٴ ظاہر!

خبر بھی ہے تجھے یہ کون محوِ امتراحت ہے؟  
یہ دنیا جس میں تو لایا گیا ہے کسی دنیا ہے  
سنہل لے بے خبر! پہچان اس دنیائے نوری کو  
یہ دنیا جس میں تو اس وقت ہے "قلیمِ مستی" ہے  
تخیل کی فسوں کا ری نہیں آباد بستی ہے  
یہاں جو کچھ نظر آتا ہے سرتاپا حقیقت ہے  
غیبتِ جانِ اس دو چار لحوں کی حضورِ ہی کو  
یہاں جو کچھ بھی ہے اناٹ ہے لافانی ہے محکم ہے  
میر آج تجھ بد بخت کو کس کی زیارت ہے؟  
یہ گرد و پیش رنگ، نور کی جلوہ گری کیا ہے  
یہ عالم تیرے عالم سے کہیں پائندہ عالم ہے

فسانہ لکھ رہا ہے بے ادب تو جن کے مرنے کا

وہ تیرے سامنے ہیں وقت ہے کچھ کر گزرنے کا

یہی ہیں حیرت و خشش کا مرجعِ لطف کا مخزن  
یہی ہیں ہاں یہی ہیں مرکزِ الطافِ ربانی  
بڑھا آگے قدم پیروں پہ جھک جاتا ہمارے دامن  
یہی ہیں فخرِ آدم پر تو انوارِ سبحانی

بیاں کر حال دل اپنا سراپا عرضِ غم ہو جا!  
جیں تلووں سے مل پابستہ شاہِ اہم ہو جا!

عجب کیسا ہے نگاہِ ہر تیری سمت اٹھ جائے

ترزی قسمت ہمیشہ کے لئے آسودگی پائے

یہ صوتِ آسمانی گوشِ حیرت سے سنی میں نے  
عجب ہستی ورقصد کی محسوس کی میں نے  
یقین آتا نہ تھا گوش و نظر کی باریابی کا  
یقین! اس درجہ اونچی بیش قیمت کامیابی کا  
آہی! کیا یہ سچ ہے؟ کیا یہ سرکارِ دو عالم ہیں؟  
نہیں! ہاں! مگر میرے حواسِ ہوش برہم ہیں!!  
کہاں میں فاسق و فاجر کہاں یہ پاک نظارہ  
کہاں اک حسن لاہوتی کہاں کت چشمِ آوارہ  
کہاں وہ جہبطِ حُسن ازل یکتائے شکلِ عالم  
کہاں مجھ عاصی و بدکار کی بے نور چشمِ نغم

اسی جزیرہ میں تھا میں ایک بیک منظر نے رخ بدلا

نزاکت سے ادائے خواب پیغمبر نے رخ بدلا

ہوئی پلکوں کو جنبش کھل گئی آنکھیں نظر اٹھی  
نظر اٹھی کہ رنگیں موج سے دیوانہ گمراہی  
نظر! اُف وہ نظر جیسے ثریا سے کرن بھوٹے  
بساطِ کہکشاں سے ناکِ نور و ضیاء چھوٹے  
خمار انگیز و لرزہ خیز و دل افروز و جاں افزا  
کشش آمیز، جذب و کیف میں ڈوبی جگر پیمایا

ہوئی ہونٹوں میں لرزشِ روئے خاموشی پہ لایا

بڑے شفقت بھرے انداز میں حضرت نے فرمایا

کے نامِ محرمِ حسن یقین! اے شاعرِ ناداں!  
نہ ہو اس درجہ بیخود بے خبر وارفہ و حیراں

ترے اعمال ہیں بیشک بہت ندوم و ناگفتہ  
 تری رود افسق و معصیت کو جانتے ہیں ہم  
 مگر وہ اک تڑپ جو پریشان تیرے سینے میں  
 وہ بیتابی جو تیری روح میں جولان و قصبان  
 وہ کیفیت جو تجھ کو پارہ سیما رکھتی ہے  
 وہ مہم جستجو، الجھن، طلب، پرواز و جولانی  
 وہ غم جو بیکراں ہے باوجود تنگ دامانی

وہی ہے جس کے صدقے سے نواز اجا رہا ہے تو

ہماری سامنے شرف حضور ہی پارہا ہے تو

یہ سب اللہ کی نکتہ نوازی کا کرشمہ ہے  
 وہ جب چاہے جسے چاہے عطا سے بہرہ ور کر دے  
 نہ گھبرا! نامساعد وقت کی بیچیدہ حالت سے  
 بقدر استطاعت کام کرنا فرض ہے تیرا  
 خطا پوشی کا شان بے نیازی کا کرشمہ ہے  
 گدائے بے سرو سامان کو شاہِ بحر و بر کر دے  
 کیے جا کام اپنا تنہی سے فکر و محنت سے  
 اثر ہو خوب یا نا خوب یہ ہے مرضی مولا

زبانِ شعر سے تاریخ کا نغمہ سُنائے جا

خلوصِ قلب سے الفاظ کی محفل سجائے جا

ابھی تک مسد سے رفقا تیرے پائے ہمت کی  
 ذرا سی دُور چل کر ڈمکاتا ہے قدم تیرا  
 ضرورت ہے جفا کشی کی سرگرمی کی عجلت کی  
 ٹھٹکتی ہیں نگاہیں تھر تھراتا ہے قلم تیرا

بھٹکتا پھر رہا ہے راستے کے پیچ و خم میں تو اٹھ کر رہ گیا ہے عقل کے دامِ ستم میں تو  
تیرا منصب نہیں بخت و نظر، نغمہ ہر لہے تو دلوں کی چارہ سازی کیلئے گرم نوا ہے تو

نہ جا اس درجہ شرح و بسط کی جو لانگاہوں میں

سفر دشوار ہے منزل کو رکھ اپنی نگاہوں میں (جاری)

## قرآن مع تفسیر و ترجمہ { توجہ :- حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ علامہ عثمانی نے بڑی بڑی تفسیروں کا خلاصہ اور عطر اس تفسیر میں اس طرح سمویا ہے کہ آیات کا تفسیر :- علامہ سیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

ایک ہی جلد میں مکمل ہونے والے جتنے بھی تفسیر والے قرآن آج تک چھپے ہیں ان میں اس قرآن کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ناروں میں چاند۔  
علامہ عثمانی نے بڑی بڑی تفسیروں کا ضروری خلاصہ اور عطر اس تفسیر میں اس طرح سمویا ہے کہ آیات کا مطلب بہ آسانی ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ عالمانہ ہونے کے باوجود عام فہم زبان دل کش اور انداز سلیس و سگفتہ۔ ہدیہ مجلد رگزین خوشنما۔ چوبیس روپے۔ (ایک پر محصول ڈاک تقریباً چار روپے آئے گا)۔

## اشرفیہ ہشتی زیور مکمل و ملال

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علیؒ کی یہ مقبول ترین کتاب اب تک مختلف اداروں سے چھپتی رہی ہے لیکن اب جس شان کے ساتھ چھاپی گئی ہے وہ اپنی نظیر آپسے حصو حصو حضرت مصنفؒ کی سوانح حیات کا اضافہ مولانا سید سلیمان ندویؒ کے قلم سے ایک منفرد اضافہ ہے جس سے دوسرے ایڈیشن خالی ہیں۔  
یہ کتاب ہر مسلمان گھرانے میں رہنے کا ہے کیونکہ اس میں روزمرہ کی ضرورتوں کے مسائل موجود ہیں۔ کیا عبادت، کیا گھر کی معاملات، کیا شادی بیلہ، اپدائش، موت وغیرہ کے مسائل، کیا صالح مردوں اور عورتوں کے حالات، کیا انبیاء کے قصے، کیا اعلیٰ درجے کی نصیحتیں، بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ سہاری مائیں، بہنیں، بیٹیاں اور راہ شرم و حیا جن مسائل کو مردوں سے دریافت نہیں کر سکتیں، وہ سب آسان اردو میں اس کتاب کے اندر موجود ہیں اور ہر دست مضمین کے ذریعہ وہ بہ آسانی انھیں نکال سکتیں ہیں۔  
دو جلدوں میں مکمل۔ قیمت غیر جلد۔۔۔ میں روپے۔ اگر وہ دونوں جلدیں ایک ساتھ جلد طلب کریں تو بائیس روپے۔  
دو جگہ جلد چاہیں تو چوبیس روپے۔ تاجر انہ مناسبت کمیشن کیلئے خط و کتابت سے معاملہ طے کریں۔

مکتبہ تجلی۔ دیوبند (دیوبند)

ملا ابن اللہ علی



”پرانی بات ہوئی۔ آپ کئی ہفتوں سے سود لائے ہی نہیں ہیں جو تازہ نرخوں سے باخبر ہوتے۔ لکڑی اب سات روپے من ہے۔ نقلی گھی دس روپے کلہ۔ شکر چار روپے کلہ۔“

”پھر تو اس مفادس نوٹ سے کفن ہی خریدنا چاہ سکتا ہے“

”کفن بھی اتنے میں نہیں آئے گا۔۔۔۔۔ میرے کفن بکس میں مزید ایک کوڑی بھی نہیں۔“

”آئی سی۔۔۔۔۔ تنخواہ میں تو ابھی ایک ہفتہ باقی ہے۔ تو کیا ہم پھر چہا میں گے؟“

”میں تو بغیر پتھر چائے بھی دس پانچ دن جی سکتی ہوں مگر آپ سوچیے ان جھاڑو ماروں کا کیا ہو گا جنھیں چائے کے ساتھ انڈے بھی چاہتیں۔ پیراٹھے بھی چاہتیں۔“

”جھاڑو ماروں۔۔۔۔۔ ایہ بھلا کیا چیز ہوتی ہے؟“

”ماشاء اللہ آپ کے صوفی زعفران۔ خواجہ مسکین۔ حافظ لکھار۔ قاری کلفام۔ کوٹنا محوس دن ہے جو ان میں سے کسی نہ کسی کی تشریف دھری نہ رہتی ہو۔ آپ کی بلا سے باورچی خانے کا جو بھی حال ہو آپ کو حکم چلانے سے طلب۔“

کل زوج نے دس کا ایک خراب دستہ سانوٹ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔

”آگیا اگھی شکر چائے، ایندھن کچھ بھی نہیں ہے۔ جائے لے آئیے۔“

میں نے پہلے اس نوٹ کی طرف پھر کہنے والی کے چہرے کی طرف تخیر سے دیکھا تھا پھر خود بخود میرے منہ سے نکلا تھا۔۔۔

”پوری منڈی ہی کیوں نہ اٹھالوں۔ باقی جو کچھ بچے گا اس سے ایک بنگلہ بنوائیں گے اور پھر ہم تم باہنوں میں باہنیں ڈال کر گایا کریں گے۔ اک بنگلہ بنا ہے نیارہ۔ اس میں رہے گا کنہہ سارا۔“

دہ مسکرائی نہیں تھی بلکہ براسا منہ بنایا تھا۔

”صوفیوں کو قیوں نے آپ کو بر باد کر کے رکھ دیا ہے۔ مذاق کا بھی کوئی وقت ہونا چاہیے۔“

”تو مجھے پٹو آؤ گی کیا۔ لکڑی پانچ روپے من ہے۔ گھی سات روپے کلہ۔ شکر ڈھائی روپے۔۔۔۔۔“

ذرا دو پیالی چائے بنا دینا۔ ذرا انڈے بھی اُبال دینا۔ ذرا۔۔۔  
 ”سو بس نیک بخت۔ تم سے میں نے پیغام نکاح ہی  
 اس وقت کچھ ایا تھا جب ایک بزرگ نے تمہارے باپ سے میں  
 بڑے وثوق کے ساتھ یہ بشارت دی تھی کہ بڑی ہی خوش  
 نصیب لڑکی ہے رزق تو اس کے پیچھے دوڑا دوڑا پھرتا ہے۔“  
 ”وہ بزرگ بھی تلوار حسین قسم کے کوئی بزرگ ہونگے۔  
 بہال آپ نوٹ لیجئے اور جو کچھ لاسکتے ہوں لے آئیے۔“  
 ”خدا کی بندی۔ یہ غدر سن ستاروں سے قبل کا نوٹ  
 تو جاندار شاید لے گا بھی نہیں۔ اب اکثر تم ایسے ہی نوٹ  
 دینے لگی ہو۔ کیا معاملہ ہے؟“  
 ”میں اب کم سے کم ہینے بھر کے لئے بھینڈ کے گھر جا رہی  
 ہوں۔ بس اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتی۔“  
 ”ادریں سچری راتیں کیسے گزاروں گا۔ آجکل تو مارے  
 بھی نہیں۔ بادل ہی بادل منڈلاتے پھرتے ہیں۔“  
 ”راتوں کو تو ایساں سنیے گا۔ دن بھر تیر پھسیلا کر  
 سوئیے گا۔“

قصہ مختصر نوٹ لے کر میں گھر سے نکلا تھا۔ راستے میں  
 ایک شریف النفس قسم کا آدمی پودے فروخت کرتا نظر آیا۔  
 چالواری مہری کمزوری ہے۔ پھولوں کے پودے لگانا اور  
 روزانہ کچھ نہ کچھ وقت ان کی نگہداشت کے لئے نکالنا۔ اگر  
 نافع ہو جائے تو میرا معدہ چرپٹ ہو جاتا ہے۔ گلاب کا  
 ایک بہت ہی خوبصورت پودا اس کے پھیلے پر نظر آیا  
 تو قیمت پوچھی۔ کہنے لگا۔۔۔

”صاحب۔ شہینوں کے سوڑے ہیں۔ قیمت بھلا  
 اس کی کیا لگے گی۔ شاہجہاں نے جب ہی باغ لگوا دیا تھا تو  
 گلاب کی ایک نایاب قسم آئر لینڈ سے منگائی تھی۔ یہ اسی  
 کی نسل ہے۔“

میں نے عیش عیش کرتے ہوئے اسے گھورا۔۔۔ ”یار  
 بڑے کچھے ہوئے ہو۔ تمہیں تو مزہ بخ ہونا چاہیے تھا۔“  
 ”مقدر ہے جہاں کہہ دوں کہ تاج مل رہے ہیں اور  
 گھوڑوں کو بتر بھی نصیب نہیں۔“

”تقاد بھی ہو۔ اور دو چار جیلے ذرا ایسے ہی۔“  
 ”کل سے روٹی نہیں کھائی ہے جناب۔ کچھ پکا ہی  
 نہیں۔ زیادہ بولنے کی سکت کہاں۔“  
 ”سو ری۔ تو یہ گلاب کتنے کا ہے؟“  
 ”ہے تو صبا۔ گلے سمیت پندرہ روپے کا مگر آپ جو  
 دیں گے لے لوں گا۔“

”میں بھی تمہارے ہی طبقے سے تعلق رکھتا ہوں۔  
 محنت کش یعنی پمرولتاری۔ کتنے ہونا؟“  
 ”پہلے سب کچھ سمجھنا تھا۔ لیکن مارکس، انجلز سب  
 کو پڑھ رکھا ہے مگر اب تو ساری سمجھ بوجھ معدے میں تر  
 گئی۔ دل کا مرضی ہوں اس لئے محنت مزدوری بھی نہیں  
 کر سکتا۔“

”سچ؟“ ”بس چونکا۔“ ”کیا کسی غیر خاندان کی ہے؟“  
 ”کون؟ کیا مطلب؟“  
 ”اب شرمناؤ گئے بھی۔ یا رو ہی جس نے دل کا مرض  
 دیا ہے۔“

”چار بچے ہیں میاں صاحب۔ دو چھوٹے بھائی۔ ایک  
 بہن۔ ایک بیوہ خالہ۔“  
 ”تو یوں کہیں بیوہ کے جگر میں پھنس گئے ہو۔“  
 ”کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔ میں اپنی حالت  
 بیان کر رہا ہوں۔ بیوی مر گئی۔ زمین کسٹوڈین میں چلی گئی۔  
 یہ زمانہ۔ اتنا خرچ۔۔۔“

”معاف کرنا۔ مجھے لفظ دل سے غلط فہمی ہوئی تھی۔  
 چلو یہ دس رکھو۔ بس اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے میرے  
 پاس۔“ وہ نوٹ میں نے اس کی پھیلی پر رکھ دیا۔

دراصل میرے دامخ میں یہ بات آئی تھی کہ مطلوبہ  
 اشیاء کی جو میزان زوجہ نے بتائی ہے وہ تو دس روپے میں  
 نہتیا ہونے سے بڑی کیوں نہ یہ شاندار گلاب ہے ہی ڈالوں۔  
 شاہجہاں سے نسبت رکھتا ہے۔ ہزار جان گمراہی فرا  
 بہ ایس نسبت۔

گھر پہنچا تو زوجہ نے بڑی تہرمانی نظروں کے استقبال کیا

چار سال سے مشتری بیگم پر قناعت کیے ہوئے ہیں حالانکہ  
عز سوں میں سہی بھی سات ایک سے ایک زمانہ عانتظان  
اولیا کی کمی نہیں ہوتی۔ کوئی قتالہ عالم ہے۔ کوئی دجالہ  
عالم ہے۔“

”آپ کو شرم آتی چاہیے میرے آگے اس طرح کی  
باتیں کرتے۔“

”آگئی۔ اسی بات پر صبح ناشتہ ذرا اچھا  
ہو جائے۔ حافظہ نخر جھگے ایک بڑی شاندار روح  
کھلا چکے ہیں۔“

”یہ سمندر علی صفا کے لڑکے ہیں کیا؟“  
”سمندر علی تو ان کے عجا ہیں۔ ذال صاحب کا نام  
تھا معطر علی۔ بڑا اونچا خاندان ہے۔ ایدال اور قطب  
وغیرہ تو اس میں دھڑا دھڑا پیدا ہی ہوئے جیلے آئے ہیں۔“

”حافظہ نخر بھی قطب سے کم کیا ہوں گے؟“

”زخمیر وہ تو ابھی تربیت کے مراحل میں ہیں۔ میر  
جائیں گے کھینٹے کھانٹے۔“

تو یہ تھا کل کا ماجرا۔ صبح سویرے گرام کے مطابق  
دونوں بزرگ تشریف لائے۔ دو دو کا ٹوکھا کھا ہی  
تھا۔ رات ایک بار اور میں نے اپنے خوب خواب دیکھے  
کہ دیکھو اے جان حیات وغیرہ وغیرہ۔ اس کے بعد امانت  
نہیں ہوا کرتے۔ بھائی اور بھائی کا رشتہ بھلا جانی ہے۔ وہ  
ایک ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں۔ اسے بھینٹہ یاد  
رکھو۔ وغیرہ ذلک۔ شاید بات اس حد تک چلی ہے اور کبھی  
تھی اسی لئے ناشتہ خاصا مکلف ملا۔

”بھئی خوب بکاتی ہیں تمھاری بیگم۔“ مولوی  
فردوس صاحب نے کچھ کھائی کہ داد دی تھی۔

”ماشاء اللہ۔ واقعی ہزار ہا عالم نفس ہے۔ حافظہ  
خجرتے تائید فرمائی تھی۔“

پھر کئی کئی پالیساں پڑھانے کے اور مولوی صاحب  
نے ایک نیا موضوع چھیڑا تھا۔

میں نے پھٹ سے کہا۔

”دیکھو نیک بخت۔ پودوں کے معاملے میں میرے  
احساسات بہت نازک ہیں۔ کوئی ایسا دلیا لفظ نہ کہہ  
بیٹھنا۔“

وہ چند تانتے خاموش رہی پھر تیزی سے میری طرف  
بڑھ کر پودے کو دیکھنے لگی۔

”ہے تو اعلیٰ قسم کا۔“ وہ دفعتاً خوش ہو کر بولی۔

”بھتا کے یہاں بھی ایسے ہی دو تین ہیں۔ دس روپے  
میں جنکا تو نہیں۔“

پھر گلا میرے ہاتھ سے لے کر اس نے غور ہی پودے  
کو کیا ری میں منتقل کیا اور اس دور ان میں اسے بالکل پا  
نہیں آیا کہ ہم لوگ پھر کس رفتار سے چھا سکیں گے۔ میں نے  
موقعہ غنیمت جانا۔

”ڈار لنگ۔ صبح مولوی فردوس الحق اور حافظہ

خجرتے پر آرہے ہیں۔ میں سوچ رہا تھا آخر شرب خود کشی  
کریوں گا۔ صبح کو وہ آئیں گے تو کفن دفن کا خرچ ان سے  
وصول کر ہی لوگی۔“

اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔ ”بھتا کے  
دو سو روپے میرے پاس امانت رکھے ہیں۔ آپ کے دوست جانا  
مجھے جنم میں پہنچا کر رہیں گے۔“

”استغفار پڑھو مانی سوئٹ ڈار لنگ۔ بھائی بہن کا  
کس نے بانٹا۔ امانت تو غیروں کی ہوتی ہے۔ کل اسی  
گلاب کا جوڑا اور خریدیں گے۔ دونوں کیا ریوں میں ایک  
ایک ہو تو کیا کہنے۔“

”آپ کو خدا اجلے کس مٹی سے بنا یا گیا ہے۔ فکر تو  
کسی بات کی ہوتی ہی نہیں۔ آخر کب تک ایسے گاڑی چلیں۔“

”کیا خدا کی رزائی سے ایسا نا اٹھ گیا۔ مانی ہوئی  
غل بانو تو نکل اور قناعت تو تصویف کی جان ہوتی ہے۔“  
”مگر آ کے صوفی احباب تو ان الفاظ کے معنی بھی

شاید نہیں جانتے۔“  
زیادتی کر رہی ہو۔ صوفی زعفران ہی کو دیکھو۔

بولے۔ ”میں نے دعوت کے اس آزادی نمبر کے مضامین اور اشتہارات کی لمبائی انچوں میں ناپی ہے۔ ایک انچ مضمون کے مقابلے میں سو گیارہ انچ اشتہار کا تناسب ہے۔“

”آپ سے حساب میں کون جیتے گا جناب۔ ایک حساب مدت سے میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ اسے بھی حل کیجئے۔“

گمرانی چھ اعشاریہ نو ماہانہ کے حساب بڑھ رہی ہے اور ہر تیسرے مہینے میں یہ رفتار کچھلی رفتار سے بقدر تین اعشاریہ دس بڑھ جاتی ہے تو بتائیے خود کشی کی خاطر ایک ماہ ذریعہ خریدنے کے لئے سیکھنے میں ایک آدمی کو کیا قیمت داکرنی پڑگی۔“

”جب بھی تمہارے پر چکاڑو پر کوئی زد آنے لگتی ہے تم اسی طرح فضول بکواس لگا کر بات کو ٹلاتے ہو۔ چلو میں ان سے ملو اور دیکھنا ہے کہ کتنا افراطیونی علم کلام کھود کر لاتے ہیں۔“

”بھلا ان کا دعوت سے کیا تعلق؟“

”بھولے مت بند۔ کون ہے جو بیس سالوں سے جماعت اسلامی کی طرف داری میں کتے کی طرح بھونکنے جا رہا ہے۔ ہم پوچھیں گے کہ حکومت الہیہ اور اقامت دین اور ظہیر معاشرہ جیسے الفاظ کی جنگالی کرنے والی جماعت کا ارگن کیا ایسا ہی ہونا چاہیے۔“

”فضول ہے۔ مودودی صاحب تو لاہور میں بیٹھے ہیں۔“

”اس پر لعنت بھیجو۔ مگر نہیں وہ کا حضور ہے مگر اپنے کفر میں پکا۔ ہم نے اس کا رسالہ دیکھا ہے۔ کتابیں بھی دکھی ہیں۔ مجال ہے ایک سچ بھی کہیں سمر کا ہو۔ ایمان نہیں نکلیں گے۔ بڑے دل گردے کا آدمی ہے۔“

”تو پھر آپ یہاں کی جماعت پر معترض کیوں۔ وہ بے چاری تو حکومت الہیہ کی عروس غزل کو مدت ہوئی طلاق مغلظہ دے چکی ہے۔ اقامت دین اور ظہیر معاشرہ جیسے الفاظ بھی اس کے اپنے نہیں۔ مودودی کا شیپ ریکارڈ ہیں۔“

”تمہارے کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ تمہارے مرست قلندہ

”تمہارے پر چکاڑو ٹراٹل چلتے ہیں جماعت اسلامی کی قصیدہ خوانی میں۔ کچھ بھی اعتراض کرو پھوٹ سے علم کلام کا دروازہ چوٹ۔ اب دیکھیں گے کیا جواب ہے۔“

یہ کہتے ہوئے انھوں نے تھیلے سے کاغذ کا پلندہ سا نکالا اور میرے ہاتھ میں تھما دیا۔

یہ اخبار دعوت کا ۵ مارگت ۱۹۷۷ء والا آزادی نمبر تھا۔

”یہ میری نظر سے گذر چکا ہے۔ فرمائیے آپ کیا دکھانا چاہتے ہیں۔“ میں نے پوچھا۔

”تم نے اس کا مطالعہ کیا؟“

”بڑی دلچسپی سے۔ میں اشتہارات بہت شوق سے پڑھتا ہوں اور اس میں خدا کے فضل سے ان کا اوسط پورے فی صد ہے۔“

”منخرہ بن نہیں۔ بات تو ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اشتہارات کا اوسط اتنا ہی ہو گا مگر اس میں کیا اعتراض کا پہلو نظر نہیں آیا۔“

”اعتراض وغیرہ تو آپ جیسے اہل علم کا منصب ہے قبلہ۔ میں جاہل کس شمار قطار میں ہوں۔ ویسے یہ آپ بھی مانیں گے کہ اخبارات کا بڑا مقصد اشتہارات ہی ہوتے ہیں۔ کم سے کم دعوت کے خاص نمبروں سے تو یہ ثابت ہے پھر مجھے کیا پڑی ہے کہ بڑے مقصد کو چھوڑ کر مضامین وغیرہ کے حکم میں پڑوں۔ سبحان اللہ کسی بھی پوشیدہ اور پیچیدہ بیماری کا علاج گھر بیٹھے۔ خط راز میں رہیں گے کھل کر سارا حال لکھتے۔ اور ایک بار پھر سبحان اللہ نہ نہ و مردانہ مخصوص امراض کا لٹریچر مفت منگائیے۔ ہنڈل مارکہ بیڑی۔ آخری کش تک تکیا لٹاؤ۔ نزع کی آخری ہچکی تک اسے براہ راست نہ چلیے۔“

”تم دوست بگو اس اچھی کر لیتے ہو مگر بعض دفعہ لمبی ہو جاتی ہے۔“ حافظ نجر نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔

”لمبی کی بات بھی سنو“ مولوی صاحب جلدی سے

— ہم نے تو آج تک آپ کو جماعت اسلامی ہی کی  
وکالت کا جھنڈا اٹھائے دیکھا ہے۔“

”وہ اب بھی میرے ہاتھ میں ہے۔ جماعت  
اسلامی کے کسی اصول اور نظریے پر اعتراض فرمائیے  
میں جواب عرض کروں گا۔“

”یہ جماعت بس کا تو نقص ہے۔“  
”افراد جماعت کا کہتے۔ افراد امت اگر  
امراض میں گرفتار ہو جائیں تو اس کا یہ طلب کہاں ہوا  
کہ وہ دین بھی مریض ہو گیا جس سے اس امت کا تعلق  
ہے۔“

مولوی صاحب نے قدرے تحیر سے حافظ خنجر کی  
طرف دیکھا۔ وہ آنکھیں پھیلائے، مدبر تختی کے رومے  
ناز بیا کر برا بر دیکھے جا رہے تھے۔ میں بوز ہو رہا تھا  
کیونکہ ایک تو موضوع ایسا خشک اور واہیات دور سے  
یہ بات ابھی یاد آتی تھی کہ آج تو خواجہ تلقین  
نے یہاں بڑی دلچسپ منگ ہے جس میں میں بھی مانع  
ہوں۔ وقت نائنسے کے فوراً بعد ہی کا متعین ہوا ہے۔

شہر کے ممتاز ارباب، طرقت اس میں جلوہ افروز  
ہوں گے۔ حاجی متقار، مرزا تفسیر، صوفی بہرام، خواجہ  
ارمان اور قاری گلبدن جیسے اساطین کا اجتماع تو بجائے  
خود نوادرات میں سے ہے پھر موضوع اتنا پرکشش کہ  
خدا کی پناہ۔ دراصل غور اس مسئلہ پر کرنا تھا کہ امریکہ  
نے چاند پہنچ کر جو عرصیت عامتہ الناس میں پیدا  
کر دی ہے اس کا اثر کیا ہو گا۔ حافظ قسری نے  
کا خیال تھا کہ پچھلے اولیاء اللہ نے ہوا میں اڑنے کی

جو کہ امت بارہا خلق خدا کو دکھلاتی ہے اسی کی تجدید  
ہم صوفیائے کہہ ام بھی کہیں اور بندہ گان خدا کو دکھلا  
دیں کہ امریکہ تو اڑنے میں مشینوں کا محتاج ہے مگر ہم  
اہل اللہ بغیر کسی تو سٹ کے یہ نفس نہیں اڑ سکتے ہیں۔  
طے یہ کہنا تھا کہ کون سے چارہ نزرگ اس کہ امت کے  
عالمی مظاہرے کی زحمت گوارا فرما سکتے ہیں۔ چار

صاحب تو ان حقائق کو تسلیم نہیں کرتے۔ اٹھو اسی وقت  
ملتے ہیں۔ ایک ناشتہ وہاں بھی نہیں۔“

یہ دونوں مدبر تختی کے لئے اجنبی نہیں تھے۔ علیک  
سلیک کے بعد انھوں نے پوچھا۔

”جائے شوق فرمائیں گے؟“  
”آپ کی مرضی“ مولوی فردوس الحق بولے۔  
جائے کے ساتھ سوچی کا علوہ، ایلے پوسے ایلے  
اور بالائی کی بلیٹ بھی آئی۔ پھر میں تو بمشکل آدھی پیالی  
جائے پی سکا لیکن دونوں نے دبا دبا دو پیالیاں  
بھی پیں اور ماکولات بھی صاف کر گئے۔

آخر کار آرام بہ سہ مطلب کا پھاٹک بھی کھل  
ہی گیا۔

”میں نہیں سمجھ سکتا آپ مجھ سے اس سلسلے میں کون  
آزادہ بحث ہیں۔“ مدبر تختی نے ان کے جارحانہ اشارے  
پر جزم ہو کر کہا۔

”آپ جس جماعت کے گن گاتے ہیں کیا اس کا  
سرکاری آرگن ایسا ہی ہونا چاہیے؟“

”جواب کے علم میں ہے پھر میں کیا عرض کروں۔“  
”یعنی؟“ مولوی صاحب نے انھیں ٹھہورا۔

”پیٹ پر پھر باندھ کر خندق کھودنے والے  
زیادہ نہیں ہو کرتے۔ اشتہارات پیسہ دیتے ہیں او  
پیسہ جس کے پاس ہو وہ پھر کیوں باندھے۔“

”آپ کنایات استعمال نہ فرمائیں۔ بات صاف  
لفظوں میں ہونی چاہیے۔“

”اشتہارات مواد پر غالب آنے پاتیں یہ ایک  
سنجیدہ اصول ہے۔ اقامت دین کی علمبردار جماعت

کا سرکاری آرگن تو بڑی چیز ہے۔ ایک خالص دنیا دار  
پرچہ بھی اگر اشتہارات کا پلٹہ بن جائے تو اسے بازار  
کی جنس قرار دیا جائے گا۔“

”اوہ۔۔۔ تو جناب آپ کی وکالت کیا ہوئی۔“

”میں خود ہی کافی دنوں سے اس سوال کی بھول بھلیا میں بھٹک رہا ہوں۔ میرا بس چلنا تو کبھی کا اس فقرے کو اخبار کی پیشانی سے کھرج چکا ہوتا۔“

”عجیب بات ہے۔ آپ برابر ایسی جماعت کی حمایت کئے چلے جاتے ہیں جو خود آپ کے اعتراف کے مطابق قول و عمل کی دور نگھی میں گرفتار ہے۔“

”پھر آپ نے خلطِ سمجھوتہ کیا۔ بنوہ پرورد۔ اصولوں نظر بات کی بات کیجئے۔ کون کیا کرتا ہے اس کا میں ٹھیکیدار نہیں۔ آخر مسلمان بھی تو بالعموم اسلام کا دامن چھوڑنے بیٹھے ہیں۔ شراب۔ جوا۔ سود۔ چوری۔ بدعت۔ غفلت۔ کونسا عیب ہے جو ان میں سراپت نہیں کر گیا۔ پھر کیا آپ اس شخص کو اعتراض کا نشانہ بنائیں گے جو اسلامی اصول و اقدار کی دکالت کرے۔“

”آپ کم سے کم دعوت کے خلاف تو آواز اٹھائیں۔ بنیادی اختلاف کے باوجود میں اور میرے متعدد اہل باج دعوت کو عرصہ سے پڑھتے آ رہے ہیں کیونکہ اس میں کم سے کم وہ جلی خرافات و مکروہات تو نہیں ہوتیں جن سے کوئی بھی مسلم جریہ بچا ہوا نہیں۔ لیکن اب عرصہ سے اس کے تنازعات وغیرہ کچھ ایسے آ رہے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتا انھیں کیوں پڑھا جائے۔ لاحقہ صول موضوعات۔ فضول کے عنوان۔ پھیکا اسلوب۔ نہ نفع دینا نہ نفع دین۔ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ یہ کوئی ایسا جریہ ہے جو اقامتِ دین جیسے نصب العین کا نقیب و داعی ہے۔ آخر سیاست ہی اس درجہ گبھارنی ہو تو دین و دین کی نقاب کیوں اور ٹھھی جائے۔“

”میں کس کس موضوع پر مسلم ٹھس سکتا ہوں۔ پھر فقہ مخالفی کی ضرورت بھی کیا ہے۔ پڑھنے والے خود احساس کر لیں گے۔ آج نہ سہی کلی سہی۔“

حافظ خجرا ب تک چُپ تھے۔ اب تبسم ریز لہجے میں بولے۔

”یہ تو کچھ بھی نہ ہوا جناب۔ ہم لوگوں نے تو سنا تھا آپ بڑے جوشیلے ہیں۔ تجلی سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے اور نقیب۔“

اس لئے کہ مغرب مشرق جنوب شمال سب طرف ایک ایک صوفی لمبی اُڑان بھرتے تاکہ سارا عالم عش عش کر کے اس نظارہ بے مثال کو دیکھے اور امریکہ مارے شرم کسی کو منہ نہ کھانے کے قابل نہ رہے۔ مجھے درخواں لئے کیا گیا تھا کہ خود میں نے بھی اُڑنے کی صلاحیت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ کہ اس بل بوتے پر دیا تھا کہ عملی ثبوت کی شاید ثبوت ہی نہ آئے۔ اتنے بڑے بڑے جہاں طریقت جہاں مجتمع ہوں گے وہاں یہی طے ہونا کیسے ممکن ہو گا کہ اس اُڑن دستے کی کمان کس کے ہاتھ میں ہو۔ ہر بزرگ اپنی دانست میں سیادت و قیادت کا سربے بڑھ کر سختی تھا اور ہونا بھی چاہیے کم سے کم تین اکابر کے خیالات تو پوری طرح میرے علم میں تھے۔ وہ سلاسل تصدیق کی ساری ہی نسبتوں کے جامع تھے۔ نقشبندی، چشتی، سہروردی وغیرہ وغیرہ۔ بلکہ دس بارہ وغیرہ وغیرہ۔ کیسے وہ کسی اور کو اپنے سے برتر مان لیتے۔ ان کی دلیل بھی کہ امانات کو ان کے اہل کے سپرد کرنا قرآن کا حکم ہے اور قرآن کی نافرمانی ہم برداشت نہ کر سکیں گے اگر کسی اور کو جو ہم پر فوجیت دی گئی۔ عین ممکن تھا جملہ شریک مجلس ان تینوں کی برتری پر متفق ہو جائے لیکن ان میں سے پھر ایک کا انتخاب کس طرح ہوتا۔ ان میں سے کسی کے لئے بھی یہ بات قابل برداشت نہ ہوتی کہ خود اس کے علاوہ کسی کو بھی امتیازی درجہ دیا جائے۔

بہر حال میں بورد ہور ہا تھا اور مولوی فردوس الحق ایڈیٹر تجلی کی کھال کھینچنے کی فکر میں تھے۔

”آپ افراد کی حمایت نہیں کرتے تو مولوددی مولوددی کی رٹ آپ کے رسالے میں اس قدر کیوں پائی جاتی ہے؟“

”رٹ کی جگہ آپ بکہ اس کا لفظ بھی استعمال فرمائیں تو میں برا نہیں مانوں گا۔ رٹ میں نہیں لگانا تا معترضین لگاتے ہیں اور جو آبا جھے نام دہرانا پڑتا ہے۔“

”پھر تو یہ سوال بھی آپ سے بیکار ہی ہو گا کہ اخبار دعوت میں وہ کونسی خاص بات ہے جس کی وجہ سے اس کی پیشانی پر لکھا ہوا ہوتا ہے کہ ہندوستان میں اقامتِ دین کا داعی اور نقیب۔“

مگر آپ..... جی ہاں..... وہ فراموشی انداز میں ہنس پڑے۔

”جوش اور جذبہ زندگی کی جان ہیں نوجوان۔ میں نے جن ناپسندیدہ لوگوں کو محسوس کیا یقین کر لوں گا کہ دستِ اجل مجھ سے زیادہ دور نہیں۔“

”لیکن اس وقت تو اس کا ثبوت نہیں ملا“ پھر صاحب اب بھی متبسم ہی تھے۔

”اوہو۔ تو کیا میں آپ بزرگوں سے گشتی لڑتا یا تنہا لڑتا اہل طریقت کی تو بے حد قدر میرے دل میں ہے بشرطیکہ وہ ناک نہاد نہ ہوں۔“

”نام نہاد“ مولوی فروز سس ٹملا اٹھے۔ ”یہی تو آپ کی بری عادت ہے۔ تیش زنی کرتے ہیں۔“

”آپ کو ناگوار ہی ہوتی میں معافی چاہتا ہوں مگر آپ کا مطلب میں نہیں سمجھا۔“

”ظن و طعن بری چیز ہے اس سے کیلچہ چھلنی ہو جاتی ہیں۔“

میں نے طعن نہیں کیا۔ کیا آپ اسے ازکار کر سکتے ہیں کہ نااہلوں نے تصوف کو توہمات و بدعات کا ملغوبہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ کتنے ہی صوفیاء مظاہرہ تصرف سے دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتے مگر اپنے ناموں کے ساتھ نقشبندی یا چشتی وغیرہ لکھ کر خود فریبی کا اعلان کرتے ہیں۔ خلقِ خدا کو دھوکا دیتے ہیں۔ دین کی جڑیں کھودتے ہیں۔“

”جڑیں تو مودودی نے کھود دی ہیں۔“ مولوی ضنا کو مزید غصہ آ گیا۔

”آپ اتنی لمبی چھلانگ نہ لگائیں“ مدیر تجلی نے ان کے غصے کو نظر انداز کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ ”ہم ہندوستان میں بیٹھے ہیں اور مودودی پاکستان میں ہے۔“

کیسا المیہ ہے کہ کوئی ادھر سے ادھر نہیں جا سکتا۔“

”وہ تو ہے مگر میں مودودی کی بات کر رہا ہوں۔ اس نے دین کا استیسا ناس کر دیا۔ کبھی خارجیوں جیسی باتیں لکھتا ہے کبھی منکر حدیث بن جاتا ہے۔ کبھی الحساد کی

”تائیں کرتا ہے۔“

”آپ کیوں غم کھاتے ہیں۔ اس کا حساب اللہ آپ سے تو نہ لے گا۔ آنجناب اگر صراطِ مستقیم پر قائم ہیں تو آپ کی بلا سے مودودی کچھ کرنا پھرے۔“

”مگر آپ تو مودودی کی وکالت کرتے ہیں۔ آپ ہی کب جہنم سے بچ سکیں گے۔ گمراہ کا حامی خود گمراہ ہوتا ہے۔“

”میں جہنم میں جاؤں تو یہ بھی کوئی عجب نہ ہو گا۔ آنحضرتؐ جہنم بھی بھرنے ہی کے لئے ہے۔ آپ کو خدا اس سے بچائے۔ پھر آپ کو کیا پروا۔“

”ہمارا جہنم سے بچنا آپ کی دعاؤں کا محتاج تو نہیں۔ ہم کہتے ہیں مودودی کی حمایت سے تو بہتر لیجئے۔ بڑی آگ لگتی ہے۔“

”آگ بھی تو ایک آفاقی حقیقت ہے۔ لگنے دیتکے۔ چولہے نہیں جل سکتے اگر آگ لگنے کی عادت تبدیل کر دے۔“

”یہ جہل منطق ہے۔ آپ نے میری قطعی ٹپھی ہے؟“

”کیا فائدہ ہوگا ایسے سوالوں سے۔ آپ تو ماشاء اللہ سبھی کچھ بڑھاپے سن فیضیت رکھتے ہیں۔“

”مجھ جیسے کچھ جاہل بھی شہر کے کونے کھد رے میں پڑے رہیں تو نہ زمین اپنے جبر سے بٹھے گی نہ آسمان شہر ہوگا۔“

”اچھا جناب اب چلیں“ حافظ شجر آگیا کہ لوہے ”آپ کی جہان نوازی کا تسکیر یہ ناگوار خاطر نہ ہو تو کسی دن کھانے کے وقت بھی حاضر ہوں۔“

”میرا ایمان ہے کہ دانے دانے پر پڑے۔ آپ جب بھی یہاں شہر و نیش فرمائیں گے میرا کچھ نہ بگڑے گا۔“

ان کے ساتھ میں بھی دم دبا کر سرکنے والا تھا کہ پاؤں آواز میں ٹوٹا گیا۔

”تم انہیں کچھ دور پہنچا کر ابھی لوٹو گے۔“

”گھٹھا ادھت میں ان کے ساتھ چلا۔“

ہے۔“

”چائٹا مار دوں گا۔ سن تہتر میں ملائمبر نہ نکل سکا تو یاد رکھو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔“

”مولوی فردوس کے نزدیک تو اب بھی آپ سے برا کوئی نہیں..... گستاخی معاف فرمادیں دراصل دماغ آج کل ٹھس ہو کر رہ گیا ہے۔ خون تو نیا سپر ایڈوٹا ہی نہیں۔ کھوپڑی تازہ خون مانگتی ہے۔“

”بکو اس مت کرو۔ تین ہی ہینے ہوئے جب تھکے مشاہرے میں بچاس کا اٹھا کیا گیا تھا اب کیا روز اٹھانے ہوں گے۔“

”ان تین ہینوں میں گرانی چھ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار بڑھی ہے۔ آپ کی بہن آدھا ہینہ گذرتے ہی کہہ دیتی ہے کہ سودا دھار لاؤ کیش کس خالی ہو گیا۔“

”تم اور وہ دونوں اس قابل ہو کہ گردن مار دی جاے۔ میرا خیال تھا وہ تمہیں آدمی بنا سکے گی مگر تم نے اسے بھی اپنے ہی رنگ میں رنگ لیا۔ اب تو مجھے یہ بھی شبہ ہے کہ تم دونوں سازش کر کر کے مجھ سے جھوٹ بولتے ہو۔“

”آپ کا کیا بگڑا ہوا ہے۔ جہنم میں ہم جھوٹے جانیں گے آپ کے تو اجر ہی میں اضافہ ہوگا۔“

”تم وہ نالائق ہو کہ شاید جہنم بھی تمہیں قبول نہ کر سکے۔ جاؤ نکلو۔“

انداز چھٹکارا ہی کا تھا مگر تب تک وہ اپراں سے نہ چھپ سکی جو ان کے چہرے پر کوئی نہ تھی۔ میرا غنچہ دل کھل گیا۔ ”تم سے تم بچاس کا اضافہ اور کر دیجئے۔ تجسلی تو ماشاء اللہ.....“

”ہاں ہاں اپنی ماشاء اللہ اپنے پاس ہی رکھو۔ سنا ہے تم چند لفنگوں کے ساتھ مل کر کسی پرانی قبر پر عرس کا اہتمام کرنے والے ہو؟“

”جی نہیں لفنگا کوئی بھی نہیں۔ صوفی زبر جسد ہیں۔“

خواجہ ہتھاب ہیں۔ شاہ زعفران ہیں۔“

”اور یہ سب اعلیٰ پائے کے صوفی ہیں۔ اے بادبخت

”بھی معلوم ہونا ہے جماعت والوں نے تمہارے سپر جگاڑو کی سخاوت بند کر دی ہے۔“ مولوی فردوس باہر نکل کر فحش سے بولے۔

”ہو سکتا ہے۔ دنیا رنگ رنگیلی ہے۔“ میں نے بیزاری سے جواب دیا۔

”کیا ملتا تھا؟“

”پانچ ہزار ماہانہ۔ رادوی کا قفل ہے۔ جھوٹ سچ کی ذمہ داری میں نہ لے سکوں گا۔“

”پھر کون لے گا؟“ حافظہ سخر چپکے۔

”صوفی بہلول۔ وہی اصلی رادوی ہیں۔“

”سچ بتاؤ واقعی کیا ملتا تھا؟“ مولوی صاحب نے چھکار کر سوال کیا۔

”میرے فرشتوں کو بھی خبر نہیں۔ چھوڑئے یہ مسائل تصوف آپ جانیں اور وہ۔“

پھر میں بوٹ کر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمانے لگے۔

”ان لوگوں کو یہاں تم کیوں لائے تھے؟“

”یہ لوگ خود مجھے کھینچ کر لائے تھے۔ تباہ کر دیا مردوں نے۔ میں تو اس وقت خواجہ تلقین کے دولت کدے پر ہوتا۔ بے حد اہم ٹنگ ہے۔“

”تمہارا کوئی بھی پروگرام بے حد سے کم اہم کبھی نہیں ہوتا۔ اوقات ضائع کرتے پھرتے ہو۔ آخر کب آدمی ہو گے؟“

”آدمی کے علاوہ جو چاہے بنو ایسے۔ خدا کی پناہ۔“

آدمی سے بڑا ذرا نہ اس وقت صنحہ ارض پر کوئی نہیں پایا جاتا۔

”بس لٹر بچر کی ٹانگ نہ توڑو۔ میں تمہیں کب کا بتا چکا ہوں کہ تجلی کا ایک شمارہ پورا تمہیں مرتب کرنا ہے۔ الف سے یا تک۔ مگر تمہاری ادارہ گردیوں میں کوئی کمی نہیں نظر نہیں آتی۔“

”آپ کے سامنے میں کیا بولوں۔ ویسے آخرت کا بھی تو سامان کرنا ہی ہے۔ صوفیاء کی صحبت اسی لئے اختیار کی

”کم سے کم یہ فرق تو ہے کہ... کہ کسی اور دین دار پرچے میں اتنے اشتہارات مجھے نصیب نہیں ہوئے۔ یہ بے حد مقبولیت کی علامت ہے۔“

”مقبولیت سے ناجائز فائدہ اٹھانا اور کسے کہیں گے۔ تناسب بڑی چیز ہے۔ مواد کو ہر حال میں اشتہارات پر غالب رہنا چاہیے۔“

”چلیے یہ تو خاص نمبروں کا حال ہوا۔ عام شمارے تو اس اعتراض کی زد میں نہیں آتے۔“

”میں نے کب کہا کہ آتے ہیں۔ اصل گفتگو مواد کی نوعیت میں ہے۔ اخبار کی پیشانی سے اگر اقامت دین والا جملہ کاٹ کر یہ شعر لکھ کر باجائے تو زیادہ مناسب ہے۔ حافظ اگر وصل خواہی قلم کن باخاصل عام

بامسلمان اللہ اللہ بابر ہمسمن رام رام“  
”یہ ایک غیر قومی حرکت ہوگی۔ فارسی تو غیر ملکی بھاشا ہے۔“ میں بڑبڑایا۔

اور جملہ پورا ہونے سے قبل ہی بھاگ بھی بڑا جان کے تیر ہی ایسے تھے۔ ویسے یہ مجھے اطمینان ہو گیا تھا کہ سچاس کا تازہ اضافہ ہو کر رہے گا۔ ان کی ادائوں کو مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔ کہیں گے مردود دل میں ہو گا میرا سارا مٹا۔ لب دل سے اندازہ ہو گیا تھا کہ اضافے کی درخواست سوئیکار کر لی گئی ہے۔ سبحان اللہ سوئیکار۔ جیسے سوئیکار۔ اداکار۔ فنکار وغیرہ وغیرہ۔

## تجلی کا ایمان نمبر

اب بھی دستیاب ہے۔ نئے حضرات سالانہ خریدار بننا چاہیں تو اسی نمبر سے شروع کر سکتے ہیں۔ جس کا سچی چاہے تنہا یہ نمبر بھی تین روپے بھیج کر منگوائے۔ وی پی سے منگائے گا تو ساڑھے چار روپے میں پڑے گا۔

مدنی حرتجلی۔ دیوبند (دیوبند)

کیوں اپنی عاقبت برباد کرنا ہے۔ برباد تو خیر وہ پہلے ہی سے ہے۔ بیہودہ کہیں کا۔“

”تو.... تو میں آپ کی بہن سے کہوں کہ سچاس کا اضافہ اور....“

”ہرگز نہیں۔ میں تو پچھلا ہی اضافہ مسترد کرنے کی سوچ رہا ہوں۔ اگر ستمبر میں کسی بھی جگہ نیا عرض ہو تو تمہاری کھال بھیج لوں گا۔ جاؤ اب دماغ نہ چالو۔ میرے پاس تمہاری طرح فالٹو وقت نہیں ہوتا۔“

”اچھا ایک بات بتائیے۔ دعوت میں تو خود نہیں بھی چھپتی ہیں۔ آیات کا ترجمہ بھی چھپتا ہے۔ یہ سچیں بھی ہوتی ہیں۔ ذریعہ اعظم انداز سے لے کر امریکہ کے صدر رکن اور پاکستان کے صدر بھٹو تک کو ایڈیٹر صاحب بٹے شہزادہ وعظ بھی پلاتے ہیں پھر بھی آپ دعوت سے خفا نہیں پھیری ناخص عقل میں یہ بات نہیں آتی۔“

”تمہاری عقل میں صرف صوفی آتے ہیں۔ عرس و توالی آتی ہے۔ کسی مسئلہ پر آج تک سجدگی سے سوچا ہے؟“

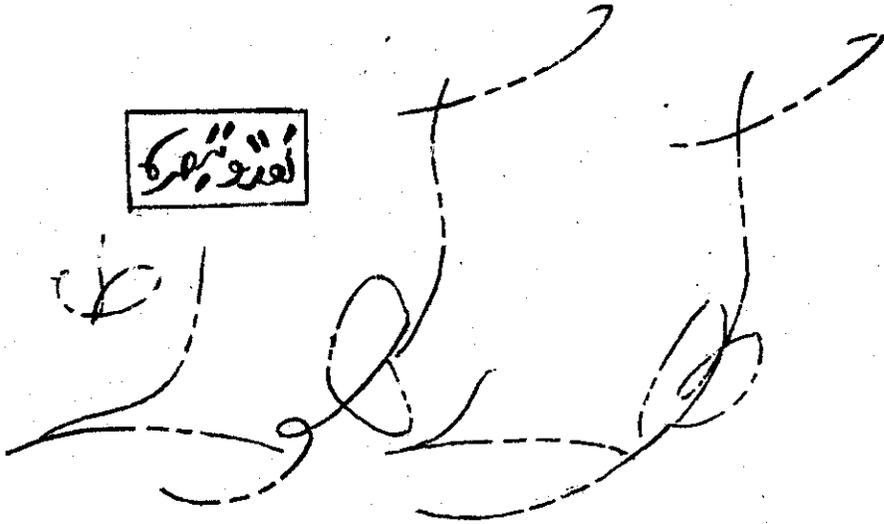
”نتی بار کوشش کی ہے۔ مگر.... ذرا ق نہ سمجھے میرا معدہ تباہ ہو جاتا ہے۔ جگر میں اینٹھن ہوتی ہے۔ عجیب عجیب خواب نظر آتے ہیں۔“

”اور میں تمہیں عنقریب ایسی سزا دینے والا ہوں کہ اس سے بھی بڑھ کر عجیب خواب نظر آئیں گے۔ بیوقوف آدمی۔ جاؤ بھگتو۔“

”میرا سوال سنجیدہ تھا....“  
”جھکی۔ اچھا بتاؤ اقامت دین کسے کہتے

ہیں؟“  
”جی.... اقامت دین۔ یعنی دین کو کھڑا کرنا۔ جسے زمین کھود کر بجلی کے کھمبے کھڑے کئے جاتے ہیں۔ لوگوں کو اچھی اچھی باتیں بتاتے رہنا بھی اسی کی تمہید ہے۔“  
”دوسرے بے شمار پرچے ہیں جن میں ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ پھر کیا فسق رہا ان میں اور دعوت میں۔“

لقد و بھرا



## جادو اعتدال

• جناب عبدالمنفی کے تنقیدی مقالات کا  
مجموعہ • کتابت و طباعت بس یوں ہی سی  
• صفحات ۲۴۸ - کاغذ سفید - قیمت دس روپے  
• ناشر: کتاب منزل - سبزی باغ - پٹنہ علیہ

پروفیسر عبدالمنفی ایک ممتاز اور معروف نقاد ہونے کے باوجود اگرچہ اردو کے بعض اور نقادوں جیسی شہرت ابھی حاصل نہیں کر سکے ہیں لیکن ہم اپنے محدود علم اور مطالعے کی حد تک بلا تکلف کہہ سکتے ہیں کہ ایک بنیادی وصف ان میں ایسا ہے جو انھیں اردو کے دیگر بلند پایہ اور شہرت یافتہ ناقدین پر فوقیت دیتا ہے اور وہ ہے ان کی بعض ایسی قدروں سے وابستگی جو دائمی اور اٹل ہیں اور فی الحقیقت وہی انسان کا مایہ نیر ہے۔ یہ قدریں صحیح و قلط اور کامل ناقص کی تمیز کے لئے کسوٹی اور معیار کا کام دیتی ہیں۔ اگر ناقد

کے پاس اساسی طور پر کوئی آفاقی اور محکم معیار نہیں ہے تو اس کا نقد محض اس کے انفرادی ذہن، میلان، پسند اور تعقل کی نمائندگی کرے گا اور ظاہر ہے کہ دوسروں کے لئے اس میں کوئی حجت نہ ہوگی۔ مثلاً ایک ایسا ناول جس میں مسخر کا بیج مظاہر اور شہوانی ہیجانات و مناظر کی بہتات ہو کسی بھی ایسے ناقد کی نظر میں جو اعلیٰ اقدار سے ہی دامن ہوا اعلیٰ پایے کا کانا دل ہو سکتا ہے اور محسوس کہہ کر اس کی عظمت مجروح نہیں کی جاسکتی۔ اس کے برخلاف اعلیٰ قدروں کا حامل نقاد کسی طرح بھی اسے عظیم نہیں مان سکتا۔ خواہ اس کی انشاء اور اسلوب کیسا ہی حسین و دلکش کیوں نہ ہو کیونکہ معاشرے کو گندہ اور بیمار کرنے والے جرائم اعلیٰ قدروں کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔

پہر حال عبدالمنفی اپنے نقد کے چھپے ایک بے خطا کسوٹی رکھتے ہیں اور قدرت نے انھیں تجزیہ و تحلیل کی فراوان صلاحیت عطا کی ہے۔ وہ داخلی اور خارجی اور ذہنی اور ذہنی و فسی معنیات کو بڑی بالغ نظری اور ساریکت بینی

سے روشنی میں لاتے ہیں۔ اور بڑی خوبی یہ ہے کہ اسلام پسندی نے انھیں گھر آمو لوی نہیں بنایا بلکہ خوش مذاقی و وسعت قلبی اور جمالیاتی حس کی نقش کاریاں ان کے سارے ہی نقد پاروں میں جلوہ طراندہ ہیں۔ ایک کالی اگر حسین اسلوب میں دی جائے تو نہ اہد خستک اسے "کالی" کہہ کر فارغ ہو جائے گا مگر ایک برد بار نافتد "ہینرش نیرنگ" پر عمل کرتے ہوئے حسن اسلوب کو تھوڑا سا حراج ضرور دے گا۔ یہی وجہ ہے کہ فراق گورکھپوری جیسے غلوب الجنس اور بے لگام شاعر تک کو وہ ان کے بعض محاسن فنی کی بنا پر تھوڑا سا حراج تخمین ضرور پیش کرتے ہیں تاکہ انصاف کا حق ادا ہو سکے۔ ہم اس انصاف پسندی کو دیا تدار نہ تنقید کی جان سمجھتے ہیں۔

کتاب کے مضامین کی فہرست یہ ہے۔ پہلے مقدمہ جو کتاب اور صاحب کتاب دونوں کو سمجھنے کے لئے مفید ہے۔ اور اس کے بعد ۲۱ مختلف ادیبوں اور شاعروں پر تنقیدی نثری پارے۔ ان صفحات میں مزید تعارف کی گنجائش نہیں پھر بھی "فراق کا تغزل" سے کچھ متسل کرنے کو جی چاہتا ہے جس سے فاضل نقاد کے حسن نگارش اور نزاکت اسلوب کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

"وہ اس یہ چھوٹی چھوٹی دانائیاں ایک بڑی اور بنیادی حقیقت سے محض مگر نیربہ۔ جسمانیات کے انبار میں روحانیات کے یہ چند دانے ابھر نہیں پاتے۔ فراق جنس کے مرکز سے کتنا ہی بھاگیں انکی سرتت پکڑ پکڑ کر انھیں بھر دہیں لے آتی ہے۔ انکی پوری شخصیت ایک کچلا ہوا سانپ ہے، جو ہوا کے تھوڑے پر لہرانے لگتا ہے۔" (صفحہ ۱۳۶)

"منسبت تو فراق کے قصور سے بہت بلند ہے محبت کے ساتھ بھی انھوں نے بڑاہ حشیانہ کھیل کھیلا ہے۔" (۱۴۲)

"جنس شجر ممنوعہ تو یقیناً نہیں لیکن جذبہ انسانی معاشرے میں اس کا لطف و احساس

لازمًا خلوت تک محدود رہنا چاہیے۔ جلوت میں اس کا اظہار و مظاہرہ یکسر وحشیانہ فعل ہے۔ یہ دو افراد کے درمیان اتنا خاص اور انفرادی معاملہ ہے کہ اس کو دوسرے تین کی بھی اجتماعی سطح پر لانا ساج میں ہلاکت کے جراثیم بونا ہے۔" (صفحہ ۱۴۳)

ان چند اقتباسات ہی سے (رہ باب ذوق اندازہ کر سکتے ہیں کہ عجب المغنی کا خاتمہ تنقید کتنا کشفہ اور مستقیم ہے۔ ویسے لسانی و انشائی لُحُوح پر ہمیں موصوف کی تنقیدوں میں کچھ خلا محسوس ہوا۔ یہی فراق والی تنقید بھی اس خلا سے معزئی نہیں۔ فراق صاحب اپنے بارے میں چاہتے تھی ہی خوش فہمی میں مبتلا ہوں اور ہزار بار بھی وہ اپنا یہ مصرعہ دہرائیں۔

ختم ہے مجھ پہ غزل گوئی ددیہ حاضر

لیکن دوسری خامیوں کے علاوہ ان کے یہاں زبان و ادب کی خامیاں بھی واقف ہیں۔ مثلاً۔

آرہا ہے ناز سے سمت چین وہ خوش خرام  
دوش پر وہ گیسوئے شکیں کے منڈلانے سما

اول تو "وہ" کی تکرار ناخوشگوار ہے۔ دوسرے مصرعہ کے "وہ" کو تو بلا تکلف حشو کہا جاسکتا ہے۔ علاوہ ازیں لفظ "منڈلانا" یہاں اکھڑا ہوا ہے۔ یہ لفظ عموماً دم کے سیاق میں بولا جاتا ہے۔ تصویراتی اعتبار سے بھی اس میں کوئی حسن نہیں کہاں پیکر نازک کے ریشمی بال اور کہاں ان بالوں کا منڈلانا۔  
انگلا شعر۔

سرسے پاتاگ حسن ہے سارے نموار از نمو

آرہا ہے ایک کسں پر دے پاؤں شبنا

"سارے نمو" تو خیر کچھ میں آتا ہے مگر "راز نمو" سوائے

قافیہ بند ہی کے یہاں اور کیا مفہوم دے رہا ہے۔ پھر "دے پاؤں" اور "ساز" کا بھی مقابلہ کیجئے۔ دے پاؤں کی تو چاپ بھی سنائی نہیں دیتی۔ اور ساز آواز ہی سے عبارت ہے۔

لہ جراثیم کے ساتھ "بونا" شاید صفت قلبی ہو۔ (دخلی)

یہ مشتے نمونہ از خروارے ہے۔ فراق کے یہاں زبان کے جھول اور زخم بے شمار ہیں۔ عبدالمغنی کبھی ان کا بھی جائزہ لیں۔ ویسے فراق کا ایک شعر ہمیں مدت سے بہت پسند ہے۔  
منزلیں گرد کی مانند اڑتی جاتی ہیں  
دہی اندازہ جہاں گزراں ہے کہ جو تھا

فاضل نقاد کے تمام ہی نقاد پارے ہمیں خوب لگتے ہیں۔ "ملا ابن العرب مکی" کے سلسلے میں کچھ اختلاف ہے۔ اس ناولٹ کی محض تعریف ہی تعریف اور تھقیص نام کو نہیں۔ حالانکہ یہاں پاس اگر اس کے رشحاتِ قلم تبصرے کو آجائیں تو ہم کھلائیں کہ ان میں کتنی خامیاں ہیں۔ عبدالمغنی جیسا بے لاگ اور بالغ نظر ناقد اگر صرف تحسین و توصیف ہی پر قلم توڑ دیتا ہے تو ہمیں شبہ ہے کہ یہ کیس قابلِ درست اندازی ہو سکتا ہے۔

بہر کیف "کتاب منزل" نے "جادوہ احوال" چھاپ کر لٹریچر میں ایک اچھا اضافہ کیا ہے۔ کاش طباعت و کتابت بھی کچھ اعلیٰ ہوتی۔

### بفت رنگ

• از: نصرت عثمانی • ناشر: نور ایجوکیشن  
• سوہا سٹی۔ • اڈوی اسٹریٹ بھارتی ٹگر۔ تیرتا  
• روڈ کراچی۔ بنگلورہ۔ صفحات ۱۲۲۔  
• لکھائی چھپائی ناپسندیدہ۔ قیمت: تین روپے۔

اس شعری مجموعے میں ہر صفحے پر ایک نظم ہے۔ تمام مصرعوں والی۔ ناشر نے ایک مستقل ذوق الگ سے چھاپ کر کتاب کے شروع میں چسپاں کر دیے ہیں جس میں اس مجموعے کی خستیت اور مرتبہ و مقام کی تسلسلہ ہی دس پندرہ فقروں میں کی گئی ہے۔ مثلاً "اردو ادب میں ندرت افزوز تاریخی اضافہ۔" "ادبِ عالیہ میں انتہائی شعوری جنگی گی آمد۔" "محب راندہ کمالات شاعری کا مرفوع۔" "ارتقاے نسیل۔" "معیاری انصافی ارتقائی شاعری۔" "شاعرانہ ابداع و اختراع۔" "انجذابی حقائق و معارف کا عملی اظہار۔" "منہائے تفکر وغیرہ۔"

کنہ فکر رسا میں حریف ان گئے  
وہ بیچ و تاب تری زلف پر شکن گئے

ذرا اثر تو کچھ بات کیا ہی۔ تعقید کی بدترین مثال۔ پھر کنہ تو شکار کو پورا کا پورا گھبرتی ہے۔ وہ تجزیہ و تجرید کا آلہ نہیں۔ "زلف پر شکن" میں اگر "شکن" لغوی معنی میں لیں تو شکن کو دیکھنا آنکھوں کا کام ہے "ونکر" کا نہیں اور کتایہ بالجواز سمجھیں تو کنہ بے معنی ہو جاتا ہے۔ کنہ سلم بہن کو جکڑ سکتی ہے۔ مگر یہ نہیں بتا سکتی کہ اس کے منہ میں کتنے دانت اور سینے میں کتنی پسلیاں ہیں۔

ساز جمال کی یہ نوا ہائے سردی  
جو بن تو وہ فرشتے سیں گنگناہٹیں

اس سے قطع نظر کہ لفظ "جو بن" میں یہاں بازار بیت بائی جا رہی ہے "ساز" اور "گنگناہٹ" کا جوڑا آخر کیا معنی۔ ساز ہمیشہ ان نغموں کے لئے استعمال ہوتا ہے جو ہتھام سے پورے سال شہر میں گائے جاتے ہیں۔ اسکے برخلاف "گنگناہٹ" صرف ان نغموں کا نام ہے جو بے ساختہ بھی ہوتے ہیں اور زریب بھی ساز کا سوال ہی ان کیلئے پیدا نہیں ہوتا۔

اور "جو بن تو" میں "تو" بھی محض بھرتی ہے۔

شبنم زدہ غنچے لب لعلیں سے پیشیاں

"زدہ" کا لفظ تحسین کے لئے نہیں بولا جاتا۔ آپ کسی عالم کو "علم زدہ" نہیں کہہ سکتے اور کہیں گے تو اس کا مطلب ہوگا تحقیر و تہیج۔ "مغرب زدہ" کہتے ہیں تو مقصد ہوتا ہے تعریف و تکریم۔ ایک شخص مغربی تہذیب کا دلدادہ ہو اور آپ اس کی یہ دلدادگی پسند فرماتے ہوں تو بھی اسے "غیب زدہ" نہیں کہیں گے۔

فراق کہنا یہ چاہ رہے ہیں کہ محبوب کے صریح شاداب اور نازک ہونٹوں سے وہ غنچے بھی شرمندہ ہیں جنہیں شبنم کے قطروں نے حسین تر اور شاداب تر بنا دیا ہے۔ مگر لفظ استعمال کر رہے ہیں "زدہ" کا۔ ایسی غلطی کسی اچھے اہل زبان سے تو بعید ہی ہے۔

خانہء روح میں سردا بہ سازش تو نہیں  
ذہن مفلوج کو آسائش جنبش تو نہیں  
نفس جز دیدہ کی ترسیدہ نوازش تو نہیں  
صفحہ ۲۶ کا ایک مصرعہ:-

دگمان پروردہ حوادث → یقین آبی/عجبی/سراپی!!  
صفحہ ۲۵ کے دو مصرعے:-

قریب حد فسا شور بادشاہی ہوا!  
جنون یاس زدہ کی نہ بد معاشی ہوا!  
صفحہ ۲۷ کا ایک مصرعہ:-

جو نابلد ہیں وہ اب راندہ گزارنی ہیں!  
صفحہ ۲۸ کے دو مصرعے:-

نظر بے شریر و ظالم و اشفاق پچھا نوا!  
صدراقت کے افق پر عرشہ اشراق پچھا نوا!  
صفحہ ۹۶ کی نظم کا فقط ایک مصرعہ آپ شاید ایک  
سانس میں نہ پڑھ سکیں:-

”زیلے کی عجب نیرنگیوں سے سالفہ میرا پڑا ایسے کہ اب تک  
بینیشیاں ہوں مگر ہر کھوپڑی آئندہ بند کر کے سفیر وقت آتا ہے!“  
ہمارے صلے کا کالم چھوٹا ہونے کی وجہ سے یہ دوسرے  
معلوم ہو رہے ہیں لیکن ہے یہ ایک ہی مصرعہ۔ ایسے ہی  
سات مصرعوں سے نظم پوری کی گئی ہے۔  
صفحہ ۹۷ کے دو مصرعے:-

راز فطری یہاں ہر گانہ تنقید ہوا!!  
سے دل بھی پروردہ بدیشی نوید ہوا!!  
مزید ایک مصرعہ:-

ذہن → مجذوب پرستش کہ تجویز ہوا  
لوگ کہتے ہیں دیگ کا حال جاننے کے لئے ایک ہی  
چاول کافی ہوتا ہے، ہم نے بہت سے نمونے نقل کر دیئے  
اس کے بعد سوائے اس کے کیا کہیں کہ عزیز شاعر ہماری  
نہم ناقص کی دسترس سے باہر ہیں۔ ہمارا خیال ہے پورے  
ملک میں بھی چند افراد ایسے دستیاب نہ ہوں گے جو زبان

پتا نہیں جب ناشر نے کتاب کے بارے میں خود ہی  
اتنا شاندار فیصلہ دیدیا اور تعریف کے غنے الفاظ ان  
کی سمجھ میں آئے کبھی لکھ ڈالنے تو اب ہم جیسے کم قابلیت  
والوں کو دعوت تبصرہ دینے کی ضرورت کہا لاجی ہوتی۔  
یہ زبان وہی ہے جو اشعار میں استعمال کی گئی ہے  
لہذا اس تو صیف کو نظم خود ہی کھنڈا جائیے۔ پتا نہیں  
جو تبصرے آئے اب اپنا مقام مشخص کر لیا تو اب ہم جیسے  
کم استعداد والے تبصرہ کیا کریں گے۔

انفرادیت تو یقیناً ہر مصرعے سے عیاں۔ ہندوستان  
میں نظیر نہیں ملے گی۔ ہاں پاکستان کے ایک شاعر ہیں  
عبدالعزیز خالد۔ ان سے مشابہت ضرور پائی جاتی  
ہے۔ لگے ہاتھوں ان بھی چند اشعار سن لیجئے:-  
ہوتی ہیں صہو اجتار دوسف منجوس بسوس سے زیادہ

مانند طفل آرزو مند آتش حاضر باش سفرہ شریک کنکشن  
ہے بال ہما کی طرح نایاب فنا مشکل سے ملے ہر دم اخلاص مش

وہی ہے وہی استراحت و موٹل وہی ما من مرجع ہے نوا ہے  
ہم بے جا بے خالد صاحب ہی کو نہ سمجھ سکے تو عزیز  
نصرت عثمانی کو کیا سمجھیں گے کہ ان کی اخلاق پسندی  
مقابلتہ زیادہ ہی ہے۔ ہندوستان میں اگر کچھ خوش  
قسمت موصوف کے اشعار سے لطف اندوز اور مستفید ہونے  
کی تاب رکھتے ہوں تو بطور نمونہ چند نقل ہیں۔

اشعار سے پہلے ایک نظم کا عنوان دیکھئے:-

”ناکامی قرآنِ حسرت میوش ہے!“

صفحہ ۹۸ کی نظم کے دو مصرعے۔ (نشانِ استعجاب

ہو یا کوئی اور علامت سب جوں کی توں نقل ہے)  
”رشتہ جبرأت معوم سے اپنی سچ بستہ خفتہ حیدت کی کردے  
جراحت! دیکھ بے دیدرودہ تخریک ایطان ظلمت  
کے سائے پہلے آج کی روشنی میں!!!“  
صفحہ ۲۰ کے تین مصرعے:-

اسلوب کی اس نفلک یا بلند یوں کو چھو سکیں۔ معارف معانی تو دور  
کی بات ہے مگر کئی ہی نظموں کی تحریر اس قدر غریب ناما لوس ہیں کہ  
عزیز شاعر کو حواسی میں بتانا پڑے کہ یہ کونسی بحر ہے۔  
ایک نظم (صفحہ ۵) تو ایسی بھی ہے کہ ہر مصرعہ الگ بحر  
میں ہے اور شاعر کو حاشیہ میں بحر کے نام اور وزن  
لکھنے پڑے ہیں۔ ہر حاشیہ کے خاتمے پر شاعر نے اپنے پورے  
نام "س۔ ن۔ نصرت عثمانی" کا بھی التزام کیا ہے۔ شاید  
یہ اس لئے ہو کہ کہیں کوئی نالائق قاری حاشیہ کسی اور کا  
نہ سمجھ بیٹھے اور علم العروض کی جو زبردست قابلیت  
حواشی سے ابل رہی ہے اسے کسی اور کی طرف منسوب نہ  
کر دے۔

کوئی فائدہ نظر نہیں آتا مزید کچھ عرض کرنے کا۔  
عزیز شاعر چالیس سال کی عمر سے گزریں تب شاید انھیں خود  
ہی محسوس ہو جائے کہ "مقصدی شاعری" کے عنوان سے  
میں جو "ہفت رنگ" لکھ آیا ہوں یہ بس عجائب خانے کی  
متاع ہے۔ پڑھنے پڑھانے اور لطف لینے سے اس کا کوئی  
واسطہ نہیں۔ فی الحال وہ یا تو افتاد طبع کے تحت یا پھر  
واہ واہ کرنے والوں کی عنایت سے بری طرح خوش فہمی  
اور خود نشہ پی میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ انھوں نے شاید از  
راہ سادہ لوحی یہ سمجھ رکھا ہے کہ ناما لوس و نادر لغات اور  
عجیب و غریب اسلوب کے ذریعہ غالب اور اقبال بنا  
جاسکتا ہے۔ اب انھیں کون سمجھائے اور کیسے سمجھائے کہ  
محض علم اللغت اور محض رنخلاق پسندی ذرا بھی مفید نہیں  
جب تک فصاحت و بلاغت کے خصائص کو مذاق سلیم کا  
معدہ صحیح طور پر مفہم نہ کر لے۔ غیر مفہم غذا جب بھی خارج  
ہوگی سادہ معدہ و جگر کی دلیل بھی جائے گی۔ انفرادیت بڑی  
چیز ہے۔ مگر مغلک الفاظ کی دھکا پھیل اور اہمال کی حد تک  
ایمانیت و اشاریت انفرادیت نہیں منحرف ہوا کہلاتی ہے۔  
عزیز شاعر اگر "شاعری" کے نام پر اپنا وقت برباد کرنا نہیں  
چاہتے تو پہلی فرصت میں انھیں واہ واہ کرنے والوں کا حلقہ  
توڑ کر کسی بیدار مغز استاد تک پہنچانا چاہیے جس کی صحیح رہنمائی

مزدید کچھ چھاپنا فاضول ہی ہوگا۔  
میں احساس ہے کہ ہمارا یہ مصرعہ عزیز شاعر کے قلب  
نازک کو اچھی خاصی ٹھیس پہنچائے گا مگر اپنے فرائض منصبی کے  
آگے ہم بے بس ہیں۔ خدا ہم پر رحم کرے۔

### ہفت روزہ ترجمان الحق کا قرآن نمبر

• صفحات ۱۰۸۔ تجلی سائز۔ لکھنؤ چھپائی  
• قیمت دو روپے۔ سالانہ چھ روپے  
• پتہ:۔ اذقان بلندنگ۔ بدشاہ چوک۔  
سری نگر کشمیر

یہ ہفت روزہ کافی دنوں سے نکل رہا ہے اور صحتمند  
اسلامی فکر کا حال ہے۔ اس کا پیش نظر قرآن نمبر تیسرے  
سالانہ کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے اور بلاشبہ یہ ایک  
مفید و فوہج پیشکش ہے۔ منقولہ و غیر منقولہ تمام ہی مضامین  
اچھے ہیں۔ صرف ایک مضمون۔ "قرآن، انسان اور  
چاند" ایسا نظر آیا جو نظر آتا تو اچھا تھا۔ یہ خود ادارہ ترجمان  
الحق کے نقطہ نظر اور موقف کے خلاف ہے۔ اس پر ایک  
ہیں صاحبہ کا نام پڑا ہوا ہے۔ اگر واقعی وہی اسکی مصنفہ  
ہیں تو ہمارا ہر ادارہ مشورہ ہے کہ قرآن کو وہ موضوع سخن نہ  
بنائیں۔ بنائیں تو اجتہاد نہ فرمائیں مستند مفسرین کی پیروی

تاریخ مشائخ چشتی | شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کے حالات - خاتم الانبیاء سے لیکر اپنے فرزند مولانا خلیل احمد تک - قیمت مجلد - آٹھ روپے۔

معجزہ کیا ہے؟ | مولانا محمد طہ صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی ایک گرائڈنگ تصنیف - معجزے کے تمام پہلوؤں پر علم و فقہ کی روشنی - قیمت مجلد - دو روپے۔

مکاتیرب لانی | مولانا مناظر احسن گیلانی کے قابل قدر خطوط کا مجموعہ - معقول و مقبول کا خزانہ - مجلد پلاسٹک - دس روپے - مجلد سادہ - آٹھ روپے۔

رمضان کیا ہے؟ | مولانا محمد عبداللہ دہلوی کے ترجمات کتاب - قیمت مجلد - دو روپے۔

الحج | مولانا اشرف علی کے خلیفہ شاہ مسیح اللہ کی نادر تصنیف - موضوع نام سے ظاہر ہے - قیمت - ڈیڑھ روپیہ۔

فن اسرار الرجال | از: مولانا تقی الدین مظاہری - علم الحدیث کا دانا اور اویوں کے حالات پر ہے اور ان حالات کو سمجھنا فن اسرار الرجال پر منحصر ہے لہذا حدیث میں سے دلچسپی رکھنے والے تمام مسلمانوں کے لئے یہ کتاب بنیادی فوائد کی حامل ہے - قیمت - ایک روپیہ ۲۵۔

فضائل نماز | علمی طباعت کیساتھ - ایک روپیہ۔

اہل بیت و اہل سنت | اپنے موضوع پر ایک قابل مطالعہ کتاب - قیمت - ایک روپیہ۔

غیر سودی بینکاری | معاشیات کے اسرار کا حساب انجات اللہ صدیقی نے اس کتاب میں یہ بتایا ہے کہ سود کو ممنوع قرار دے کر بینکوں کا نظام کس طرح چل سکتا ہے - قیمت - چار روپے۔

مکتبہ تجلی - دیوبند (دیوبند)

کریں - چاند اور خلائی سفر وغیرہ کے چکر میں غنمی بھی آیات آج کل چل رہی ہیں اور جیسے جیسے نکات سائنس دان سے برآمد کئے جا رہے ہیں حق یہ ہے کہ وہ ایک بیدار دماغ کھیل ہے جو قرآن سے کھیل جا رہا ہے - تفسیر مال رائے کی انتہائی مکروہ شکل جسے سائنس کی مرجوحیت نے خوشامنا بنا دیا ہے۔

قرآن اور خلائیوردی کے عنوان سے شائع شدہ کتاب کا جواب ادارے نے خوب دیا ہے - نئی نسل کو اس کا پڑھنا بہت مفید ہوگا - صرف ایک بات ہم محترم مجریب کے کہیں کہیسی تمام روایات بالیقین غلط ہیں جن سے اس امکان کا جواز ملتا ہے کہ ہمارے جدا جدا محمد حضرت آدم کی طرح کسی اور سیارے میں دوسرا بھی کوئی آدم ہو سکتا ہے یا حضرت آدم سے قبل کوئی اور بھی مخلوق ایسی گذر چکی ہے جو اپنا دور پورا کر کے حشر و نشر کی منازل سے گذر گئی ہو - ہم آئے والے "نظریہ ارتقا نمبر" میں انشاء اللہ اس موضوع پر مفصل روشنی ڈال رہے ہیں۔

تبصرے کا خلاصہ یہ ہے کہ "قرآن نمبر" کامیاب ہے اور اس کا مستحق کوزیادہ سے زیادہ بھائی اسے پڑھیں۔

بانگ درا ..... چھ روپے

شکوہ جواب شکوہ ..... ۳۵ روپے

شرح ضرب کلیم (از پروفیسر سلیم چشتی) ..... آٹھ روپے

شرح اسرار بنیودی ..... دس روپے

شرح ارمغان حجاز ..... چھ روپے

مطالب بابل جبریل (از غلام رسول تہر) ..... آٹھ روپے

مطالب بانگ درا ..... دس روپے

مقامات اقبال (از ڈاکٹر عبداللہ) ..... ساٹھ روپے

## بواسیر کا میاب علاج

حکیم یامین حسنا کے پچاس سالہ تجربات کا پتھر۔ آپسے ہزاروں بیمار ہر سال مستفید ہوتے ہیں۔ آپ کے پچاس سالہ تجربے نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ طب یونانی میں ایسے ایسے نوادہ نسخے موجود ہیں جو مرض کو دور کرنے میں آپ حیات کا حکم رکھتے ہیں۔

### حبِ بولاسیر و حجاب

حکیم صاحب کا ایک ایسا عطیہ ہے جس پر طب یونانی بجا طور پر ناز کر سکتی ہے۔ بولاسیر بادی ہویا نونی دونوں میں یہ گولیاں مفید ثابت ہوتی رہی ہیں اور ہور ہی ہیں۔ آپ بھی اس موذی مرض سے چھٹکارا پانے کے لئے اس کا استعمال کریں۔ پورے کورس کی قیمت مع محصول — دس روپے۔

منگوانے کا پتہ

حکیم شاہد حسین۔ دیوبند۔ ضلع سہارنپور (دیوبند)

آپ بھی اپنی جلد کو  
خوب سے خوب تر بنائیے!

اپنی جلد کو نرم، ملائم و صاف رکھنے کے لیے اور  
فاسول اور دوسری جلد کی تکلیفوں سے  
بچنے کے لیے صافی سے اپنا خون صاف رکھیے۔

# صافی

خون صاف کرتی ہے  
جلد کو نکھارتی ہے

خون صاف  
کرنے کی  
تعداد دوا

بکری



بیم نامت سے لیکتا اسر علی صاحب لوی کی مشہور و معروف تفسیر

# مکمل تفسیر بیان القرآن عکسی اردو

کے پچاس سالہ  
لہرنے میں آپ

اصل نسخہ مطبوعہ تھانہ بھون = فوٹو آفسیٹ کے ذریعے

مثالی خوبوں کیساتھ شائع کیا جا رہا ہے

ہو یا خوبی  
لکارا ہے

زیر چاپ ایس سال سے علماء اور عوام میں یکساں مقبول و معروف اور بیشتر مقامات کے بارہ شائع  
ہی سے لیکن جس حسن انتظام اور خوبوں کیساتھ حضرت تھانویؒ نے اپنی نگہ رانی میں "تھانہ بھون"  
نے شائع کرائی تھی آج تک کوئی دوسرا مطبع شائع نہیں کر سکا۔ بحمد اللہ تھانہ بھون کے مطبوعہ  
میں نسخے کا فوٹو لیکر نہایت موزوں سائز پر اعلیٰ معیار طباعت کیساتھ ماہانہ پروگرام کی شکل میں  
شائع کیا جا رہی ہے۔ آٹھ جلدیں طبع ہو چکی ہیں۔ باقی جلدیں پابندی وقت کیساتھ شائع ہو رہی ہیں۔

## طریق اشاعت

وی، پی کے ذریعہ روانہ کیا جینگی محصول اک مشاہد  
مکمل تفسیر ۲۴ جلدوں میں تیار ہوگی، ہر جلد  
میں تقریباً سو پارہ کی تفسیر ہوگی۔  
○ آپ خود خریداری قبول فرمائیں عزیزوں اور  
دوستوں کو خریداری کر اشاعت تفسیر میں تعاون

اس اشاعتی پروگرام میں شریک ہونے کیلئے  
صرف دو روپے نفیس ممبری ارسال کر کے  
اپنا نام و پتہ خریداریوں میں درج کرالیں۔  
○ قیمت فی جلد چار روپے ۱/۵ محصول اک  
ممبرن کو ہر دو ماہ بعد دو جلدیں آٹھ روپے میں

یہ! اور  
کچھ